

## فرغتِ اشتیاق



اس ”آپ“ کے سوا ہمارے درمیان کوئی ادب احترام اور کوئی تکلفات حائل نہیں تھے۔ ہماری اس درجہ بے تکلفی، قربت، دوستی کی بنیادی وجہ ہمارے مزاجوں کی انتہا سے زیادہ ہم آہنگی تھی۔ مثلاً ”بہت زیادہ باتوں میں بھی اور ہنی بھی۔ فاسٹ فوڈز مجھے بھی بڑے مرغوب تھے اور ہنی کو بھی۔ فلمیں دیکھنے کا انتہا سے زیادہ شوق مجھے بھی تھا اور ہنی کو بھی۔ بچن کے کاموں سے میری بھی جان جاتی تھی اور ہنی کی بھی۔ گھومنے پھرنے اور ہلا گلا کرنے میں مجھے بھی مزا آتا تھا اور ہنی کو بھی۔ شاپنگ کرنے اور

ہنی کی کراچی آمد میرے لیے ایک بڑا ہی خوشگوار سربراہز تھی۔ بغیر کسی پیشگی اطلاع کے وہ اچانک ہی آگئی تھیں۔ حالانکہ پرسوں رات تو میری ان سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اور نیٹ پر چپٹنگ تو ہماری تقریباً ہر دو سرے روز ہو ہی جایا کرتی تھی، مگر انہوں نے اپنے آنے کا سرسری سا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔

”پہلے سے بتا دیتی تو سربراہز کہاں رہتا۔“

ہنی اور میں خالہ بھانجی سے زیادہ ایک دوسرے کی پکی دوستیں تھیں۔ ان کی عمر اور رشتے کی بڑائی کا جو واحد احترام میں کرتی، وہ میرا انہیں ”آپ“ کہنا تھا۔

## مکمل ناول





بازاروں میں مارے مارے پھرنے کی رسا میں بھی تھی اور ہنسی بھی۔ حیرت آوازیں گانے سنتا میں بھی پسند کرتی تھی اور ہنسی بھی۔ فاسٹ ڈرائیونگ میں مجھے بھی مزا آتا تھا اور ہنسی کو بھی۔ اس کے علاوہ بھی ہمارے بے شمار شوق اور دلچسپیاں ایک جیسی ہی تھیں۔

ہنی کامونو "زندگی زندہ رہی کا نام ہے" تھا اور مجھے ان کے اس نظریے سے پورا پورا اتفاق تھا۔

ہنی کی کراچی آمد کئی سالوں بعد ہوئی تھی۔ کئی سالوں بعد یوں کہ میں خود اتنی جلدی جلدی اسلام آباد اپنی نھیاں چلی جایا کرتی تھی کہ پھر وہاں سے کسی کی آمد کی گنجائش پائی نہیں رہتی تھی۔ نالی کے گھر جلدی جلدی جانے کی سب سے بڑی وجہ تو خود ہنی تھیں اور ویسے میری اپنی نالی سے بھی کافی ہنسی تھی۔ نالی میرے لاڈلے دوست اٹھاتی تھیں اس لیے وہاں جانے میں مزا آتا ہی تھا۔ دادی کہتی تھیں "مجھے بگاڑنے میں سو فیصد ہاتھ میرے نھیاں والوں کا ہے۔ پتا نہیں مجھ جیسی معصوم اور سیدھی "بچی" انہیں بڑی ہوئی کہاں سے نظر آتی تھی۔ ہاں تو میں کیا بات کر رہی تھی۔ یاد آیا ہنسی کی آمد کے بارے میں۔ (عادت سے مجبور ہوں نا مختصر بات نہیں کی جاتی۔)

ہنی خاص طور پر ہم لوگوں سے ملنے نہیں بلکہ اپنے ہیڈ آفس کسی کام کے سلسلے میں آتی تھیں یہ کام کتنے روز تک چلتا تھا ابھی کچھ معلوم نہیں تھا ویسے اندازہ یہی تھا کہ ہنی مینڈ "ڈیرہ مینڈ" تو لازمی کراچی میں رہیں گی۔

آنے کے بعد سب سے ملنے ملانے اور تجھے تحائف کا تبادلہ کرنے کے بعد ہنی اپنے آفس روانہ ہوئیں تو کہیں گھومنے پھرنے کے لیے نکلنے والا میرا پروگرام اپنی موت آپ مر گیا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ اب تو وہ سر ہو چکی ہے وہ آفس کل سے جائیں گی مگر وائے افسوس۔ میں اسی غم میں منہ لٹکا کر بیٹھی تھی کہ ہنی سے ڈھنگ سے باتیں نہیں کیا کی اور یہ کہ وہ تو روزی اس طرح صبح سے شام تک آفس میں مصروف

رہا کریں گی پھر ہمیں کہیں مارے مارے ہونے والے ہونے کا کیا گھومنا پھرنے "شاپنگ" "موج مستی" ہلا تھا ان سب کا کیا ہو گا۔

میں یونہی منہ لٹکائے بیٹھی تھی کہ میری نگاہ اپنی والدہ ماجدہ کے فکر مند چہرے پر پڑی۔

"خیر تو ہے اہی جان! یہ اتنے حسین چہرے پر تفکر کی اتنی موٹی موٹی لکیریں کیوں؟" میں پوچھ کر ضرورت ہی کے ساتھ جان کا اضافہ کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت یہ اضافہ یوں ہوا تھا کہ کچن میں بریانی اور چمکی کباب بننے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور میں ان تیاریوں سے باعزت بری ہو جانا چاہتی تھی۔

"کچھ نہیں۔" انہوں نے بے زاری سے میرے سوال کا جواب دیا اور تو اور مجھے کچن میں چلنے کا ناہی شہابی حکم بھی نہیں سنایا۔ اہی اور مجھے کچن میں نہ دھکیلیں، یعنی مسئلہ واقعی گھیر تھا۔ کوئی پریشانی تو تھی جس نے میری اہی کو پریشان کر رکھا تھا۔ کچن سے بچنے کا عزت طریقہ پڑھائی میں مصروف ہو جانا ہوا کرتا تھا۔ سو میں اسی میں مصروف ہو گئی۔ اگر یہاں وہاں پھرتے ہی وی دیکھتے ہوئے جو کہیں دادی دیکھ لیتیں تو کام چوری پر ایک طویل لیکچر بلاوجہ مجھے سنتا پڑ جاتا۔ ایسے ہر موقع پر جب مجھے کچن سے جان چھڑانی ہوتی "میرا مستقبل بعید میں کبھی نہ بھی ہونے والا کوئی غیر اعلانیہ نیست میری مدد کر دیا کرتا تھا۔

"مینیٹیکل کی مشکل پڑھائی ہے، کوئی مذاق نہیں۔" مجھے پڑھتے دیکھ کر اہی تو اہی دادی جیسی مطلق العنان شخصیت بھی خاموشی اختیار کر لیا کرتی تھیں۔

ہنی کی واپسی شام سات بجے ہوئی۔ مجھے ان سے باتیں کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ دادی اور اہی ان سے باتوں میں مصروف تھے۔ ابا اور میں اپنی باری کے انتظار میں خاموش بیٹھے تھے۔ دادی کو اسلام آباد اور راولپنڈی کے نجانے کن کن رشتہ داروں کی خبر عافیت کی فکر تھی تو اہی کو نالی اور دونوں ماسوؤں کی تفصیلی خیریت معلوم کر لی تھی۔ ابھی دادی اور ابا یہاں

اور وہ نہ ہونے تو اہی "ماسوؤں سے بھی پہلے" کی "خیریت" خالصتاً "منہوں والے طنزیہ کجے" میں ضرور دریافت کرتیں۔ باوجود اس کے کہ ہنی اہی کو ان کے مطلب کے جواب نہ دیتیں۔ انہیں اپنی ابا اور اہی میں کوئی خاص برائیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ اہی اور بڑی خالہ کو وہ اول درجہ کی چالاک اور چالاکاں لگا کرتی تھیں۔ ان کے بھائیوں کو قابو میں رکھنا۔ بھائی عید کے عید سلام دعا کے علاوہ ہنسون کی ہنسون تک نہیں پڑھتے۔ ویسے اسی قسم کی شکایتیں انہوں کو اہی سے بھی تھیں بلکہ ہنی کا میری مفتی پر سلا بھی اہی کی تھا کہ پچھو مجھے اپنی بوینا کر ضرور اہی سے مارے پڑانے حسب کتاب کرنے کا ارادہ رکھتی

ابا اہی باری کا انتظار کرتے کرتے اس خالص طور کی گفتگو سے بیزار ہو کر اپنے کمرے میں چلے جاتے۔ ان کے ساتھ ہی دادی بھی فوراً وہاں سے ہٹ جاتیں۔ عشاء کی اذان کے ساتھ ہی فوراً "نماز ادا کر لیں" کہیں کہ اس کے بعد پھر انہیں پورے دو گھنٹے تک ہم کرنی وی کے سامنے بیٹھنا اور ڈرامے دیکھنا ہوتا تھا۔ بقول اہی کے اس عمر میں بھی مصلے پر ہاتھ رکھنا دل نہیں لگتا تھا۔ رات آٹھ بجے سے آٹھ بجے تک کا ناٹم ہمارے ٹی وی لاؤنچ میں ہوتا تھا۔ ناٹم ہوا کرتا تھا۔ اگر کسی کو اس چینل پر کوئی ناٹم تھا اور وہ اہی "ابا" ڈاکٹر چاچو اور خود دادی کی طرف اشارہ کرتے تو اہی دیکھتا تھا تو اہی مرضی کے مطابق اسے کمرے میں جا کر دیکھ سکتا تھا اور اگر میری طرف اشارہ کرتے تو اہی "ابا" کے بیڈ روم میں جا کر دیکھ لے یا پھر صبر شکر کر کے کس کی سانس لے لے کر سوئے کیا کہا اور کس کی منہ سے کس کی

دادی کے ہاتھ ہی اہی "ہنی کی طرف متوجہ

"تم نے آخر کیا سوچا ہے ہنی!" ہنی اپنے اصل نام ہانیہ بانو سے گھر میں بہت کم پکاری جاتی تھیں۔ انہیں تمام قریبی احباب ہانی کہتے تھے۔ سوائے میرے جس نے بچپن ہی میں ہانی کے بجائے انہیں ہنی کہنا پسند کیا تھا اور پھر میری دیکھا دیکھی میرے تینوں چھوٹے بھائیوں نے بھی انہیں ہنی ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔

"کس بارے میں اپنا!" ہنی کو بھی اشارہ پس پر چلنے والے انداز میں سوئس بہت پسند تھے اور وہ اس وقت اسی نوعیت کا کوئی ڈرامہ دیکھنے میں محو تھیں۔

مجھ میں اور ہنی میں واحد اختلافی چیز یہ تھی۔ خود ان کا تو یہ حال تھا کہ اگر کسی وجہ سے کسی ڈرامہ کی کوئی قسط نہیں دیکھ پاتیں تو رات میں جاگ کر یا اگلے روز دوپہر میں جب دوبارہ آتا تب دیکھا کرتیں۔

"تمہاری شادی کی بات کر رہی ہوں میں۔ آخر کب تک ایسے ہی پھرتی رہو گی۔ اہی کو کتنی فکر ہے تمہاری شادی کی۔ اب اگر اللہ نے اچھی شکل دے دی ہے اور ابھی رشتے آئے چلے جا رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ یہ سلسلہ بیٹھ جاری رہے گا۔ کچھ ہوش کے ناخن لو تمہارے ساتھ کی سب لڑکیاں کب کی بیاہی گئیں۔ خود تمہاری سب دوستیں عرصہ ہوا اپنے اپنے گھروں کی ہو گئیں۔ مجھے شہنائی تھی تھوڑے دن پہلے ایک پارٹی میں۔ غصہ خدا کا" تمہاری بچپن کی دوست چار بچوں کی ماں بن گئی اور۔

"اب اگر اس کے سسرال میں فیملی بلا ٹنگ کا نظریہ ابھی تک حعارف نہیں ہوا تو اس میں بھی کیا میرا قصور ہے؟"

ہنی نے اہی کی بات کاٹ کر معصومیت سے پوچھا۔ مجھے بے ساختہ ہنسی آئی اور اہی نے جھٹ مجھے گھور کر دیکھا۔ "تم کیا یہاں بیویوں کے بیچ بیٹھ کر وراثت ٹکل رہی ہو" جا کر پٹن میں سلاؤ ناٹو۔ کام کی نہ کلج کی۔ کام کی بات آتے ہی کتاہیں کھل جاتی ہیں اور جیسے ہی کام



ہوں۔" امی نے غضب ناک نگاہوں سے بنی کو گھورا۔

"میں بھی سیریس ہوں ایسا اور یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ شہنا کی کس بات پر آپ کو اعتراض ہے۔ اس غریب کے چار بچوں پر اس کی بڑی بنی کے دس سال کے ہونے پر یا چھٹی کلاس میں پڑھنے پر؟ اب پڑھے لکھے ماں باپ کی بیٹی ہے کیا اسکول کا منہ بھی نہ دیکھے معصوم؟"

امی کے چہرے سے صاف ظاہر تھا وہ بنی کا سر ہچاڑ دینے کی اپنی سوچ کو کس مشکل سے عملی جامہ پہنانے سے روک رہی تھیں۔ میں چین کے دروازے کے پاس کھڑی اس گفتگو کو انجوائے کر رہی تھی۔ امی غصے میں وہاں سے اٹھیں اور بنی فوراً "نی دی اسکیرن کی طرف متوجہ ہو کر" یہ بچہ تمہارا بی بی ہے کوپاں!"

"میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں رام۔" قسم کا کوئی ڈائیلاگ سننے لگیں۔

"نہیں سمجھتی کے ہر دوسرے ڈرامے میں ساس' بہو کے جھگڑے کے بعد سب سے برا مسئلہ بچوں ہی کا ہوتا ہے۔"

یہ جملہ میرا نہیں امی کا تھا اور اکثر بہت جمل کر اور چ کر دواوی کو سنایا جاتا تھا۔ اکثر چاچو کے بعد امی ہمارے گھر میں انڈین سویس کی سب سے بڑی دشمن تھیں۔

دواوی جتنی ان ڈراموں کی شائق تھیں، بہو اور چھوٹا بیٹا اتنے ہی بیزار۔

کھانے پر بنی کی وجہ سے برائی، چپلی کباب، قیر شملہ مرغ، قریش سلاڈ اور کیرھل کشڑ کا اہتمام تھا۔ ویسی کھاؤں میں برائی میری اور بنی کی فیورٹ تھی۔ بنی دواوی اور خاص طور پر ڈاکٹر چاچو کی موجودگی کی وجہ سے تکلف برت رہی تھیں جبکہ میں برائی پر ٹوٹ پڑی تھی۔ امی نے بنی سے کچھ منہ پھکار کھا تھا اور وہ ایک معصوم بنی بیٹھی تھیں جیسے ان کی ناراضی نظر ہی نہ آتی ہو۔

ختم ہوا! کتابیں بھی بند۔

امی نے بنی پر آنا غصہ مجھ معصوم پر اتارا۔ امی اپنی مرضی اور موقع محل کے لحاظ سے میری چھوٹائی برائی میں تبدیلی کرتی رہتی تھیں۔ کبھی میں بہت چھوٹی ہو جاتی اور کبھی بہت بڑی۔

"بچی نہیں رہی ہو اب تمہاری عمر میں میں (اگر ثانی نے سولہ سال کی عمر میں بنی بیاہ دی اور سترہویں سال میں میں پیدا ہوئی تو اس میں بھی میرا قصور تھا۔ ویسے ہماری نالی بھی عجیب ہیں یا بہت جلدی کرتی ہیں یا بہت دیر۔ اگر وہ سولہ اور تیس کا وسط نکال لیتیں تو بیٹیوں کی شادی کی صحیح عمر نکل آتی پھر مجھے سولہ سال کی شادی اور سترہ سال میں ماں بننے کا طعنہ بھی نہ سننا پڑا کرتا مگر کیا کریں، ثانی کا حساب ہے ہی کمزور۔) میری چھوٹائی برائی میں تبدیلی والے اس من مانے اصول کی جیتی جاگتی مثال میری چھ ماں محل ہونے والی مکتبی ہے۔ خیر اس مکتبی کا قصہ میں ابھی کچھ دیر بعد آپ کو سناتی ہوں۔ ذرا اپنی اور امی کی گفتگو کا پانی حصہ تو سن لوں۔"

"کچھ خبر ہے جہیں شہنا کی بڑی بنی چھٹی کلاس میں پڑھ رہی ہے۔ چھٹی کلاس کی بچی دس گیارہ سال کی تو لازمی ہوگی۔ دس سال کی بھی اگر اس کی بیٹی ہے تو اس کا مطلب ہے اس کی شادی کو کتنے سال ہو گئے ہوں گے؟"

پورے گیارہ سال ہوئے ہیں ایسا! اب ایسا اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تو ہو نہیں سکتا کہ دس سال کی بیٹی ہو اور شادی کو آٹھ سال ہوئے ہوں۔"

بنی اس وقت جان بوجھ کر امی کو لڑچ کر رہی تھیں۔ اپنی شادی کی بات پر وہ یونہی سامنے والے کو غصہ دلا کر بات ختم کر دیا کرتی تھیں۔

"ہائی! میں بہت سیریس ہوں اور تمہارے یہ بے ہودہ اور تھوڑا کلاس مذاق سننے کے موڈ میں قطعاً نہیں

"بنی! آپ شادی سے لڑنا بھائی کیوں ہیں؟"

ہم دونوں کھانے کے بعد واک کرتے گھر سے باہر اٹل آئے تھے۔ ہم دونوں کے درمیان سنجیدہ موضوعات پر گفتگو ذرا کم ہی ہوا کرتی تھی مگر اس وقت میں نے واقعی ان سے یہ سوال سنجیدگی ہی سے پوچھا تھا۔

"شادی۔ بے کاری درد مری۔ خواہ مخواہ ایک لنگور کو اپنے سر پر سوار کر لو۔ آپ کو کیا کھانا ہے کیا پینا ہے اور کب سونا اور کب جاننا ہے؟ اتنے بنیادی انسانی حقوق پر بھی ایک دوسرے فرد کی اجارہ داری ہو جائے۔ اصول والا قوت۔ بتائیں لڑکیوں کو شادی میں کیا چارم نظر آتا ہے۔ یہ شہنائی کو دیکھ لو۔ ہمارے کلن کی سب سے نازک اندام لڑکی ہوا کرتی تھی، کیا فیشن چل رہا ہے؟ گون سے گھر زان ہیں اور میک اپ کے کیا ٹرینڈز چل رہے ہیں؟ سب ہم اس سے سیکھتے تھے اور اب دیکھو اسے۔ موتی جینس جیسی تو ہو گئی ہے۔ چھپکلی کی دم جیسے بال ہیں، پر انہیں کٹوا نہیں سکتی کہ میاؤں (سماں) کو کٹے ہوئے بال پسند نہیں۔ ٹراؤڈر اور چوڑی دھاریاں پسند ہونے کے باوجود ہمیں پنن سکتی کہ

سماں انہیں پسند کرتے ہیں۔ لے دے کر سر بچوں کے دواوی کر دی ہے۔ اس سے بھی ملوں تو آدھے گھنٹے بات کر کے ہی میرے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ اس آدھے گھنٹے میں کچھ دیر میاں جی کے دکھڑے روئے جاتے ہیں، کچھ دیر بچوں کی بیماریوں اور پڑھائی کے وقت کے مسائل سنائے جاتے ہیں اور باقی وقت ساس دواوی کی جیتیں۔ اللہ معاف کرے۔"

امی کے منہ سے اس قسم کی باتیں پہلے بھی میں نے سناں۔ والدین چپکی تھی بلکہ جب تک میری مکتبی نہیں ہوتی تھی، مجھ پر بنی کی ان باتوں کا کافی اثر بھی ہو جایا کرتا تھا مگر اب میری سوچ ذرا تبدیل ہو گئی تھی۔ میں امی سے مختلف انداز میں سوچنے لگی تھی۔ اگر شادی لگایا جائے جسے کھا کر بھی بچھٹایا جاتا ہے اور نہ کھا کر

curiosity (تجسس) تو نہیں رہے گی کہ اس لٹو کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟

"پھر بھی بنی! سیرادل چاہتا ہے آپ شادی کریں۔ دلہن بن کر عام سی شکل کی لڑکیاں اتنی خوبصورت لگتی ہیں پھر آپ تو نجائے کیا غصہ، عا میں گی۔"

میں نے تصور میں بنی کو دلہن کے روپ میں دیکھتے ہوئے اپنی معصومانہ سی "بھانجیانا" خواہش کا اظہار کیا۔

"میری چندا! میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروتی مگر مسئلہ یہ ہے کہ فریڈرک شادی کر چکا ہے اور اس کے سوا میں کسی اور سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"ہائیں، فریڈرک۔ یہ فریڈرک کون ہے؟ میں ایک بل کے لیے کچھ سمجھ ہی نہیں پاتی، جبکہ بنی بڑی سنجیدہ لگا ہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے گنے لگیں۔

"ہاں یا ر، فریڈرک۔ ڈنمارک کا کاراؤن پرنس۔ ایڈیٹ نے میری ڈونفلڈ سن سے شادی کر لی۔ سوچو اگر وہ آسٹریلیا کی میری ڈونفلڈ سن کو شادی کے لیے پسند کر سکتا تھا تو پاکستان کی ہائیں بالو کو کیوں نہیں۔"

"بنی! آپ بھی نا پس۔" میں ان کی شرارت پر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"یار لگی! سونے سے پہلے ایک دفعہ پھر برائی کھا میں گے کھانے کے وقت تیرے چاچو کی وجہ سے خواہ مخواہ مجھے بن بن کر پر تکلف طریقے سے کھانا پڑا تھا۔ اتنی مزے کی برائی اپنا۔ بنی ہے میں ایک پلیٹ اور کھاؤں کی۔"

جب ہم دونوں ساتھ ملتے تو اسی طرح رات میں جاگ کر باتیں کرنے کے دوران کھانے پینے کا شغل بھی کرتے تھے اور کچھ نہ ہوتا۔ پس پاپ کورن اور ڈرائی فروٹس تو ہوتے ہی تھے۔

"لگی! مجھے تیرے بگ شو (Big show) سے ملنے کی بہت بے چینی ہے۔ کافی سال پہلے دیکھا تھا اس وقت تو شاید وہ اسکول میں پڑھتا تھا۔ اب تو بہت بدل گیا ہو گا؟"



ہم بیٹی کی ڈیڑھ لیٹر والی بوتل سامنے رکھ کر بیٹھے تھے۔ بریلی کھائی جا چکی تھی اور اب پیسی لی جارہی تھی۔ کئے شریوں اور نشیوں کی طرح جیسے ہی گلاس خالی ہوتا ہم اس میں مزید پیسی انٹرل لیتے۔ میرے خوشگوار موڈ کا ستیاناس کرنے کو بچانے ہی کو اس وقت وہ کیوں یاد آ گیا تھا۔

"کچھ خاص نہیں" تب بھی موتا تھا اب بھی موتا ہے اور مل آپ بالکل نیچے لگے موصوف ہر دوسرے دن سال پائے جاتے ہیں۔"

میں نے برا سامنہ بنا کر جواب دیا۔ موصوف ہر دوسرے دن یہاں کیوں پائے جاتے تھے یہ بتی نے اس لیے نہیں پوچھا تھا کیونکہ یہ بات وہ پہلے سے جانتی تھیں۔ ایک تو آپ کی زبردستی اٹھا کر مٹکائی کر دی جائے اور سے جس سے کی جائے وہ آپ کو کچھ خاص گھاس بھی نہ والا ہو تو دل پر کیا گزر سکتی ہے اس کا اندازہ ہی لڑکیوں لگا سکتی ہیں جنہیں اس صورت حال سے واسطہ پڑا ہو۔

میں بے چاری اچھی، سلی بیٹ کی طرح اپنی چھڑیاں انجوائے کرنے ملنے کے کمر باندھ رہی تھی۔ میڈیکل کالج میں داخلہ ہو جانے کی خوشی بھی اس بار شامل تھی اس لیے وہاں ہمیشہ سے بھی زیادہ انجوائے کیا۔ یہاں میرے پیچھے کیا چھڑی پکی اور کب پکی مجھے بالکل پتا نہیں چلا۔ پتا تو اس وقت چلا جب میں اسلام آباد ہٹی کے ساتھ خوب گھوم پھر کر مروج مستی کر کے کراچی واپس لوٹی اور اپنی بات طے کر دے جانے کی اطلاع سنی۔ مجھ سے پوچھنے کی زحمت تو کیا کی جاتی رہی ایک رسمی سی اطلاع دے دی تھی ای نے گویا میرے اعتراض یا انکار کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب میری چیخ و پکار اور احتجاج کو ای نے کوئی اہمیت نہیں دی تو میں نے اسلام آباد تانی کو فون کھڑکایا۔

"آپ کی بیٹی اور دلوانے میرا جینا دھڑک رہا ہے ابھی میں ڈھنگ سے اپنی میڈیکل کالج میں داخلے کی خوشی بھی نہیں منائی ہوں اور انہوں نے میری ساری

خوشی ہی لے کر برباد کر دی۔" میں نے روئے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔

"دلخ خراب ہو گیا ہے کیا صدیقی کا۔" ثانی نے غصے سے کہا۔ جب وہ لاپرواہی سے غصا ہوتی تو انہیں سادہ کے بجائے صدیقی ہی کہا کرتی تھیں۔ ثانی نے لاپرواہی سے کہا اور کیا کہا مجھے نہیں معلوم۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ اس رات لاپرواہی نے مجھے واڈی کے کمرے میں بلوایا۔ وہاں واڈی اور ای کے علاوہ ڈاکٹر چاچو بھی موجود تھے۔

"ہم نے سنا ہے ہماری بیٹی کو اس رشتے پر اعتراض ہے؟"

بعد میں ای سے چاہے جتنی بھی ڈانٹ پڑتی کہ اب اس کے سامنے اتنی بے شری سے اپنی شادی مٹکائی کی بات کیوں کی مگر میں اس پل بے ساختہ رو باہی آواز میں بول پڑی۔

"اپنا! آپ نے دیکھا ہے علی کو اتنا تو وہ پیٹھے آپ کی نازوں ملی بیٹی تو روٹیاں تھوپ تھوپ کر ہی ختم ہو جائے گی۔"

کھانے سے اسے عشق تھا۔ لگتا تھا وہ زندہ ہی کھانے کے لیے ہے۔ رہنے اور کھانے کے سوا اسے زندگی میں کوئی تیسرا کام نہیں تھا۔

"میری نازوں ملی بیٹی کو روٹیاں کیوں تھوپتی پڑی گی۔ پچھو کے گھر کا لگ کیا ہوا؟" ایانے محفوظ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

ڈاکٹر چاچو ہنسنے مسکرا رہے تھے جبکہ واڈی اور ای مجھے گھور رہی تھیں۔ ڈاکٹر چاچو کا وہ فیورٹ تھا اس لیے ان سے اس معاملے میں مدد کی کوئی توقع نہیں تھی۔

"اپا! وہ اتنا موتا بھی تو ہے۔ پورا کا پورا ایک شو (Big show) میں مٹکائی۔"

"یہ کیا بلا ہے؟" واڈی نے مجھے گھورتے ہوئے ای سے پوچھا جو باقاعدہ قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے۔

"ایک ہلکا سا کام ہے اہل۔" ڈاکٹر چاچو نے ان

سے کوئی ریفرنس چک کر کار ہوتی اور کبھی گلاس میں بچے کی کوئی بات ہے نہیں پڑتی تو ان سے آکر سمجھ لی جاتی۔

وہ ڈی ایم سی میں مجھ سے دو سال سینئر تھا۔ مٹکائی ہو جانے کے بعد بھی اس کی آمد ان ہی دو وجوہات کے تحت ہوتی تھی۔ مٹکائی سے پہلے تک تو یہ سب ٹھیک تھا مگر مٹکائی کے بعد تو ایسا نہیں ہوتا جیسے تھا۔ ہم کزنز تھے ہمارے ایک دوسرے کو فون کرتے پر ملنے پر پابندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اپنی دوستوں سے سنا تھا کہ لڑکے اپنی مٹکائیوں کو مٹکائی کی رات یا اس کے اگلے روز لازمی فون کرتے ہیں۔ یہاں تو اتنا قریبی رشتہ تھا وہ فون کے بجائے خود جس شخص سے آجاتا تو بھی کوئی اعتراض نہ کرتا اور وہ موصوف اگلے روز آئے بھی تھے مگر مجھ سے ملنے نہیں ڈاکٹر چاچو سے انالوی کی ایک کتاب لینے اس بد تمیز کو میرے سوا ہمارے گھر میں سب کچھ نظر آتا تھا۔ ای اور ڈاکٹر چاچو تو تھے ہی اس کے پسندیدہ ترین بلی میرے بھائیوں سے بھی اس کی بے تکلفی تھی اور مجھ سے پہلے جیسی سرسری سی گفتگو۔

"کیسی ہو؟"

"بڑھالی کیسی چل رہی ہے؟"

کتنے فضول اور غیر مفید ترانہ "سوالات تھے تاہم جو صاف لگتا تھا میری شکل دیکھ کر اخلاقا "پوچھ لے گئے ہیں۔ اس کی ان حرکتوں پر میرا اتنا دل نہ چلا کر اگر آسہ ہمارے گروپ میں شامل نہ ہوتی ہوتی۔ ہم پانچ دو تیس سینٹ جو زف سے ایک ساتھ انٹر کر کے ڈی ایم سی میں آئی تھیں۔ انٹر تک ہم چھ تھے مگر بے چاری حلیمہ کا ہمارے ساتھ داخلہ نہ ہوسکا تو ہم پانچ رہ گئے۔ ہم پانچ کو دوبارہ چھ بٹلانے ہمارے گروپ میں زبردستی آسہ کو شامل کروا کر کیا تھا۔ وہ بٹلا کے ڈیڈی کے برعکس پائرنری انکوٹی بیٹی تھی اور نئی نئی گلاسکو سے پاکستان آئی تھی۔

بٹلا کے ڈیڈی نے آسہ سے بہت اچھی دوستی رکھنے اور اس کا خاص خیال رکھنے کی تاکید کی تھی اور

اپا کے سامنے جتنی بوڈی اور بے ڈھنگی دلیلیں میں نے اس مٹکائی کی مخالفت میں پیش کی تھیں ان کا نتیجہ بھی لگتا تھا کہ اسی اتوار کو باضابطہ طور پر مٹکائی کی رسم ادا کر دی جائے۔ مٹکائی کی رسم بھی اتنے ہی دقیقہ منی طریقے سے انجام دی گئی تھی۔ یہاں پچھو اور انکل نے آکر مجھے اتنو بھی پسندی اور وہاں ای لاپرواہی جاکر علی کو اتنو بھی پسندی۔ اب لکیر پینے اور نیم منانے کا کیا فائدہ تھا۔ مٹکائی میری ہوتا تھی سو ہو چکی تھی۔ میں نے اس رشتے کے ساتھ سمجھو مگر کر لی۔ میری دوستوں کے تبصروں نے اس سلسلے میں میری کافی مدد کی تھی۔ ان سب کا کہنا تھا کہ وہ خالص گڈ ٹکنگ ہے۔ بس گھوڑا سا اور روٹ ہے۔ اگر وہ اپنا وزن کم کر لے تو باقی سب ٹھیک ہے۔

اس جیسے موٹے بھالو کو میری جیسی نازک اور پادری سی لڑکی مل رہی تھی اسے تو میرے آگے پیچھے کرنا چاہیے تھا مگر یہاں تو گنگائی اتنی بڑھ رہی تھی۔ اور کزنز ہماری کوئی بہت شاندار قسم کی دوستی نہیں تھی پلاؤ اس کے کہ وہ ہر دوسرے روز ہمارے گھر میں آتا اور ہوا کرتا تھا اس کا ہمارے گھر اتنی کثرت سے آتا اس کے دونوں عشقوں کی وجہ سے تھا۔ جی ہاں اس کے دو ہی عشق تھے۔ ایک بے تحاشا کھانا اور ایک بے تحاشا پڑھنا اور یہاں اس کے یہ دونوں عشق ای اور ڈاکٹر چاچو کے ذریعے پورے ہوتے تھے۔ ہماری ای کو نہیں وہ کیوں اتنا پسند تھا۔ اسے پکا پکا کر کھلا کر بلکہ کھانا کر پڑی خوش ہوا کرتی تھیں اس پٹنی کی شکل میں ہی سچے میں شہد کھول کر۔

"ڈاکٹر! ہماری پکاری ہوں گھا کر جانا۔"

جیسا کوئی جملہ سمجھیں اور بیٹا بغیر کسی تکلف کے اپنی ٹوب پیٹ بھر کر اور ہماری کی ڈھیر ساری باتیں کرتے ہوئے کھانا کھا کر ہی جاتا۔ ڈاکٹر چاچو وہ پڑھائی میں بہت مدد دیا کرتا تھا۔ کبھی اسے لہجے



اسی خاص تاکید نے ہم سب کو اس اتراتی شکل کو برداشت کرنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ جب بھی اسے گروپ سے الگ کرنے کی بات ہونے لگتی، بیلا ہم سب کے ہاتھ پاؤں جوڑنے بیٹھ جاتی۔ بہت دنوں تک تو وہ اپنے گلاسکو کے قصبے سناٹا کرتی ہمارا دماغ خراب کرتی رہی، پھر اچانک ہی اس کا ہماری گلاس کے سب سے ہنڈسم اور سب سے ذہین لڑکے عثمان سے الفت چلنے لگا۔ یہ الفت اتنا زبردست اور اتنا زوردار تھا کہ چھوڑے ہی دنوں میں اس کی شہرت پورے کالج میں پھیل گئی۔ ہماری گلاس کی تقریباً تمام لڑکیاں (ظاہری بات ہے) آسیہ سے جھلس جاتی تھیں۔ گلاس کے سب سے شاندار لڑکے کو اس نے اپنی اداؤں کے جل میں پھنسا لیا تھا اور باقی سب بے چاریاں دیکھتی ہی رہ گئی تھیں۔

”موزہست ہیں ایسی کوئی حسین بھی نہیں۔ عثمان کا ٹیسٹ ہی سزا ہوا ہے۔“

یہ ہمارے گروپ کی شا کا بیان تھا جسے عثمان کی چوائس سے سخت صدمہ پہنچا تھا۔ ان محترمہ نے گلاس کے سب سے ہنڈسم اور چارمگ لڑکے کو اپنے قابو میں کیا تھا تو انہیں باقی سب لڑکیوں سے بالعموم اور ہمارے گروپ سے (میرے علاوہ) بالخصوص خطوط بھی لاحق رہا کرتا تھا۔ اپنے اسی خطرے کو دور کرنے اور ہم سب کو یہ پور کرانے رہنے کے لیے کہ اس ”معتودہ زمین“ پر کوئی اور جھنڈا لگانے کی کوشش نہ فرمائے وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتی۔

”کل تم لوگوں کے ہنوی نے فون پر دوکھنے مجھ سے باتیں کیں۔ ریسیور پکڑے پکڑے میرا ہاتھ دھک گیا۔“ ہنوی کہہ دینے سے کون سا ”سٹرین عثمان“ نے سدھر جانا اور اسے ٹیٹھی ٹیٹھی لگا ہوں سے دیکھنا چھوڑ دینا تھا۔ ہنوی والے رشتے کی ناگاہی پر اس نے عثمان کو ہم سب کا بھائی بنا دیا اور پھر کھنگو کھنگو یوں ہونے لگی۔ ”تمہارے بھائی کتنے خوش قسمت ہیں انہیں مجھ جیسی خوب صورت لڑکی اتنے آرام سے مل گئی

”جے۔“  
”کیونکہ جو ہمارے گروپ کی سب سے منہ پھٹ لڑکی تھی اس نے چکر ایک بار آسیہ سے بول دیا۔“  
”ہمارا دماغ خراب نہیں ہو گیا جو اتنے ہنڈسم لڑکے کو اپنا بھائی بنالیں۔ تم اسے ہمارا گلاس ٹیلوئی رہنے دو۔“

اس بات کے بعد اسے کیونکہ سے سب سے زیادہ خطرہ لاحق رہنے لگا تھا۔ شانے آسیہ کے بارے میں ایک اور دوپٹ پات بھی بتائی تھی۔  
”صبح میں تم لوگوں سے پہلے آگئی تھی آسیہ کو ریڈور میں ستون سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔ میں اس کے پاس جا کر کھڑی ہوئی تو سلام دعا کرتے ہی وہ مجھ سے کہنے لگی۔“

”یار شا! پلیز ہانڈ مت کرنا“ میں اس وقت یہاں عثمان سے بہت ضروری بات کرنے کے لیے کھڑی ہوں۔ وہ چھپس میرے ساتھ کھڑا دیکھے گا تو یہاں آتے ہوئے ہچکچائے گا۔

”He is very shy yaar“

ثناء نے آسیہ کے اترانے ہوئے لہجے کی ہو ہو نقل اتاری۔ شا کے بتانے کے بعد ہم سب نے اس چیز کو خاص طور پر نوٹ کرنا شروع کیا تو پتا چلا کہ ریڈور میں ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا ہونا اس کا عثمان کو اپنے پاس بلانے کا اشارہ ہوا کرتا تھا۔ جب وہ گلاس کے دیگر لڑکوں کے ہجوم میں گھرا ہوا ہوتا اور اتنے سارے لڑکوں میں گھس کر وہ اسے بلا نہیں پاتی۔ ہم نے غور کیا تو پتا چلا کہ اوپر وہ ستون کے پاس پہنچتی ہے اور اوپر وہ دم مارا سیدھا اس کے پاس۔ کیا نشانی بتاتی تھی محترمہ نے عثمان جب ایک ہی سیکنڈ میں ”سلام کے لیے کیا ہے ملکہ عالیہ!“ جیسے انداز میں اس کے پاس پہنچتا تو ہم بے ساختہ آسیہ کا اپنے ساتھ موازنہ کرتے۔ یہ تو صرف چکر چلا رہی ہے جبکہ میری تو باقاعدہ مشقی ہوتی ہے اور میرے منگیتر صاحب ہونے اور کھڑکیاں میلے

ان سب کو تو پتہ توڑیں اگر میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر (جب وہ سلامت تھا) اس کے wall Roof Parapet (نصیل) سے لٹک کر بھی کھڑی ہو جاتی اور وہ اس وقت امی کے ہاتھوں کی پکی ہماری کھارہا ہوتا تو کہتا۔  
”پہلے میں ہماری کھاروں پھر اگر تمہاری بات سنتا ہوں۔“

اس سے اگر ہماری اور مجھ میں سے کسی ایک کو پھٹنے کو کہا جاتا تو وہ ہماری کو پھٹتا۔ میرے منگیتر کو مجھ سے زیادہ ہماری پائے، حکیم اور بریانی سے بہار تھا۔ کیا یہ بات دل جلانے والی نہیں تھی؟ کالج میں عثمان کو غلاموں کی طرح آسیہ کے آگے پیچھے پھرتے اور اسے ”تمہارے ہنوی کہہ رہے تھے تمہارے بھائی نے یہ کہا“ کہتے سنتی اور گھر پر اس موٹو کو خود کو نظر انداز کرتے دیکھتی۔ میں ان باتوں پر ہی جلی بیٹھی تھی کہ ابھی پچھلے مہینہ جو عید اگر گزری تھی اس نے میری رہی سہی سب امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ عید کی صبح میں اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی جب رو جیل کمرے کے دروازے سے مجھے پھیرا ہوا آیا۔

”جلدی سے نیچے آ جا میں جو ایک شو (show) اپنی منگیتر سے عید ملنے تشریف لائیکے ہیں۔“  
”اتھ میں ایک چمک بھی ہے۔ لگتا ہے آپ کے لیے کوئی گفٹ آیا ہے۔“

میں جلدی جلدی اپنی تیاری مکمل کر کے بھاگتی رہی نیچے آئی تو وہاں سوائے گھر کے افراد کے کوئی نہ تھا۔

”ابھی کوئی آیا تھا کیا؟“ میں نے امی کے ساتھ کچن میں آتے ہوئے معصومیت سے بن کر پوچھا۔  
”ہاں، علی سب کو سلام کرنے آیا تھا۔ عید کے دن ہمارے کو جا کر سلام کرنا، ان سے دعا میں لینا، اب تو ہماری اپنی روایتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ چلو ہماری اولی کے ہمارے میں اس چیز کا شعور ہے، یہی غیبت

میلے کے سارے یاگل اور سارے کے مجھ پر جو اس صوبے نے امی کی کسی بات کچھ سوچنے اتنی تیاریاں کر کے کیچے ہیں میں ایک اچھوتا خیال ماموں اور ممانی کو سلام کرنے اور لینے آیا تھا اور وہ پکٹ؟ اپنی کسی گرل فرینڈ سے خیرا ہو گا۔ اس موٹے بھالو کی کون لڑکی گرل فرینڈ بنے گی۔ خیر اس دنیا میں بدذوق لڑکیوں کی کون سی کمی ہے۔ اس کی مثال کالج کی وہ بہت سی لڑکیاں ہیں جن سے موصوف کی گاڑھی چھتی ہے۔

عید والے اس واقعہ کے بعد میں نے بھی میک ڈونلڈ کے اس بگ میک پر ہزار دفعہ لعنت بھیجی اور اپنی زندگی میں کمن ہوئی۔ میں کوئی ایسی گلی گزری تھی جو اس کے آگے پیچھے پھروں۔ بھانڈ میں جائے اب وہ گھر آتا تو میں اسے اس سے بھی زیادہ نظر انداز کرتی۔ کالج میں سامنا ہوتا تو پاس سے ایسے گزر جاتی جیسے دیکھا تک نہ ہو اور اگر کبھی اس کی فون کل ریسیو کرتی تو اس کے ”میں علی بول رہا ہوں“ کہتے ہی اسے ہولڈ کر دیا کرتا تھا۔ ”چلو“ دادی یا امی کو بلا کر لے آئی۔ چھ مہینے کی ہماری مشقی میں نبھانے میں کتنی ہزار بار اس پر لعنت بھیج چکی تھی اور نبھانے اپنا کتنا لٹیر خون جلا چکی تھی۔

صبح ناشتے کے وقت ایک ندر بچا تھا۔ روز صبح ہمارے گھر ایسا ہی بھونچال آیا ہوا تھا۔ جب تک کہ رو جیل اپنے کالج اور ہروز اور میٹر اپنے اسکول نہ چلے جاتے یہ طوفان یونہی سب کچھ ہلائے رکھ سکتی وی بھی ناشتے کے دوران دیکھا جا تا کہ لیا اور ڈاکٹر چاچو ناشتے کے دوران اخبار کی سرخسوں پر نظرسن دوڑانے کے ساتھ ساتھ ٹی وی پر خبریں سننا بھی پسند کیا کرتے تھے۔ لوگوں کے شور میں ٹی وی کا شور بھی مل جاتا تو واقعی گھر میدان جنگ لگنے لگتا تھا۔  
”کس بھی کبھی ہو تھی“ کی ”تکسی“ چاندنی چوک سے ہار گئیں۔ ”ٹی وی پر یہ خبر سننے ہی دادی کامو آف ہو گیا۔“



”یہ کون ذات شریف ہیں؟“

ڈاکٹر چاچو نے واوی کے لئے منہ کو قہقہہ سے دیکھ کر مجھ سے پوچھا۔ میں واوی ہی کی بدولت بغیر کسی خواہش کے اشارہ پس کے تمام ڈراموں کی مکمل معلومات رکھا کرتی تھی، اس لیے ڈاکٹر چاچو کے استفسار کا فوراً جواب دے دیا۔ ”ہی بھی اس خبر کو کافی غور سے سن رہی تھیں لیکن ان کے چہرے پر واوی جیسا غم و الم نہیں پھیلا تھا۔ مجھے پتا تھا ان تمام سوہن میں ہی کو بیرونی سز سے نہیں بلکہ نیکیوں و کرداروں سے بد روی ہوا کرتی تھی۔ ان کی عجیب سی سوچ تھی۔ ہر فلم، ہر ڈرامہ اور ہر کہانی میں انہیں مثبت کردار سے زیادہ منفی کردار پر پیار کیا کرتا تھا۔ مثلاً ”آپ اگر اکبری“ اصفری جیسے مشہور و معروف کرداروں ہی کو لے لیں تو انہیں اکبری بہت سوہن اور بڑی کیوت لگتی اور اصفری وہ گھٹی، یمینی، مکار اور بھانے کیا کیا لگا کرتی تھی۔

”جیت جاتی ہے چاری۔ وہاں کی عورتوں کی بھلائی کے لیے ہی کچھ کام کرتی۔“ واوی ناشتہ چھوڑ چھانڈی الحال یہ غم منانے میں مصروف تھیں۔

”ہالی! تمہیں اپنی کچھ فکر ہے کہ نہیں۔ اب تو تم سے چودہ سال چھوٹی تمہاری بھانجی تک کی مفتنی ہو گئی ہے۔“ ای نے رات والا موضوع ایک بار پھر شروع کیا۔

سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد اب ناشتے کی میز پر ای، ہنی اور میں ہی رہ گئے تھے۔ مجھے آج کل کچھ دیر سے جانا تھا، ہنی آفس جانے کے لیے بالکل تیار تھیں مگر ای نے سب کے جاتے ہی جو یہ موضوع پھر سے چھیڑا تو انہیں رکنا پڑا۔

”ایا! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ مجھے اتنا بے خبر سمجھتی ہیں کہ میں اپنی لاڈلی بھانجی کی مفتنی تک سے لاعلم ہوں؟ یا آپ کو میری یادداشت پر کچھ شبہ ہے؟ کل شینا کی شادی اور اس کے بچوں کے بارے میں مجھے معلومات فراہم کر رہی تھیں، آج گئی کے بارے میں یقین کریں، میرا حافظہ بفضلِ تعالیٰ بالکل ٹھیک

کام کر رہا ہے۔ پتا ہے، ہمارے آفس میں جو اکاؤنٹس فیکر ہیں وہ اس بات پر کیا کہتے ہیں۔“ انہوں نے کوئی گل افشانی شروع کی ہی تھی کہ ای نے انہیں ناراضی سے چپ کرادیا۔

”نہیں سننے مجھے تمہارے اکاؤنٹس فیکر، کمپیوٹر آپریٹر، ایم ڈی اور پیون کے قصے۔ ساری زندگی کیا یہی قصے سنائی رہی ہیں؟ ہمیں کہ تمہارے ایم ڈی ڈریسنگ کتنی عمدہ کرتے ہیں اور تمہارا پیون چائے کتنی بڑی بنا تا ہے۔ اب میں تمہارے منہ سے تمہاری سانس نندوں کی برائیاں اور تمہارے میاں کی شکایتیں کہ تمہاری اتنی محنت کے باوجود اسے تمہارے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں آتا جیسے قصے سننا چاہتی ہوں۔“

ای بہت سنجیدہ اور غصے میں تھیں مگر ان کی غصے سے کی گئی اس بات نے مجھے اور ہنی دونوں کو ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہنی خوب کھلکھلا کر ہنسی تھیں جبکہ میں ای کے غصے کے پیش نظر سر جھکا کر مسکراہٹ ضبط کر رہی تھی۔

”ایا! میں آپ کو اپنا سچا بہادر اور خیر خواہ سمجھتی تھی۔ آج پتا چلا آپ میرے مستقبل کے کتنے ”سہانے“ سننے دیکھا کرتی ہیں۔ ایک تو میں کسی لنگور کے لیے کھانا پکاؤں، وہ بھی بہت محنت کر کے اور سے وہ اس میں مین بیج لکالے، سر نہ چھاؤں میں ایسے خبیثت کا۔ اول تو ایسا وقت میری زندگی میں کبھی آنا نہیں ہے اور اگر آیا تو میں مظلوم عورتوں کی طرح آپ سے شکایتیں کروں گی؟ اس ایڈیٹ کا دل غم نہ ٹھکانے لگاؤں گی دو سینکڑن میں۔“

ہنی، ای کو افسوس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انہیں اور اپنا ایک کاندھے پر ڈالا۔

”خوشنوی اپنا! ہنی لنڈوری ہی بھلی۔“ انہوں نے اپنی اردو دانی کا ثبوت دیتے ہوئے ای کے قہر و غضب کو مزید برہمایا۔

”تم سے بات کرنا پھر سے سر پھوڑنے کے مترادف ہے۔ اچھا کیا جو میں نے گئی کے انٹر کرتے ہی مفتنی کر دی، ورنہ تم سے اتنا دوستانہ اور یارانہ اسے بھی

بھڑک، انٹر کے دوران مفتنی اور پھر جھٹ پٹ شادی کر دی ہوتی، اس وقت اب کی طرح خود سر تو نہ ہوتیں۔“

ہنی نے مزید رکنا اور اس گفتگو کو طویل و نامناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ پہلے ہی آفس کے لیے لیٹ ہو رہی تھیں۔

”اللہ حافظ اپنا! پائے گئی!“ وہ ہم دونوں کو ہاتھ ہلاتی اننگ روم سے باہر نکل گئیں۔

”دیکھا تم نے اسے؟ کس طرح بات ٹال کر چلی گئی۔ اس سے شادی کی بات کی جاسکتی ہے؟ اور اوہر تمہاری تالی نے فون پر مجھے حکم سنایا ہے کہ میں اسے شادی کے لیے راضی کروں اور اس کے لیے ایک عدد مناسب سارشتہ بھی تلاش کروں۔ رشتے کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں پر اس سے کون مغز ماری کرے۔ میرے جیسے میں اتنا دم نہیں کہ اس کی اوٹ پٹانگ باتیں سن سکوں۔ ای کو مفتنی فکر ہے اس کی شادی کی اس احمق کو کوئی احساس ہی نہیں۔ آج اگر رشتے مل بھی رہے ہیں تو چند سالوں بعد تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ پتا نہیں کیا سوچے بیٹھی ہے۔“

ای واقعی اس وقت کافی پریشان لگ رہی تھیں۔ بات بھی بھی پریشانی کی۔ اپنی چھوٹی بہن کا اگر وہ کھریسا اور دیکھنا چاہتی تھیں تو یہ ایک جائز خواہش تھی۔

”واقعی ہنی کو شادی کر گئی چاہیے۔ آفٹر کل شادی کوئی اتنی بڑی چیز بھی نہیں جس سے ہنی اس قدر ڈرے۔“ میں نے دل میں سوچا۔

”ایک طرف ہالی نے پریشان کر رکھا ہے تو دوسری طرف تمہارے ابا نے انہیں اپنے لاڈلے بھیا کی شادی کی فکر ہے کہ رہے تھے۔“ کیا پوچھنے میں شادی کرے گا؟ اس کے بچوں کی اسکول فیس اس کی تعلیم میں سے جایا کرے گی؟“

ای بہت سنسنی میز سے انہیں۔

”سارے کے سارے پاگل اور جھٹی ہماری ہی فیملی میں پیدا ہونے لگے۔“ ای بڑبڑاتے ہوئے بچن میں چلی

گئیں۔

”سارے کے سارے پاگل اور سارے کے سارے جھٹی۔“ میں نے ای کی ہی بات کچھ سوچتے ہوئے دہرائی۔ میرے ذہن میں ایک اچھوتا خیال ابھرا۔

”پاگل ہنی، پاگل ڈاکٹر چاچو۔ ایک پاگل پاگل سا بچل۔ ایک پاگل پاگل سی فیملی۔ واؤ، زبردست۔“ میں اپنے اس شاندار آئیڈیے پر اچھل ہی تو پڑی تھی۔

”ہم میں سے کسی کے ذہن میں یہ خیال کبھی کیوں نہیں آیا۔ ہنی اتنی خوبصورت، اتنی انکو کیٹل ڈاکٹر چاچو اتنے پنڈ سم، اتنے قاتل اور ماہر ڈاکٹر۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کتنے جتے۔ واقعی چاند سورج کی جوڑی۔“

میں جوش و خروش میں ڈوبی یہ سب سوچے ہی چلی جا رہی تھی کہ میری خوش فہمیوں کے غبارے سے یہ سوچ کر فوراً ہی ہوا نکل گئی کہ جی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا۔ اگر ہنی کو شادی کے لیے راضی کرنا ناممکنات میں سے تھا تو ڈاکٹر چاچو بھی خاصی ٹیر مٹی کھیر تھے۔ ان کے ساتھ ہنی والا یہ مسئلہ تو نہیں تھا کہ وہ برے سے شادی ہی کے خلاف تھے اور شادی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ شادی کرنا چاہتے تھے مگر اپنی پسند کی لڑکی سے اور اس کا ملنا کچھ سہل نہ تھا۔ اپنی من پسند لڑکی کی تلاش میں وہ اپنی شادی لیٹ کیے چلے جا رہے تھے۔

ای کبھی کبھار چل کر واوی کو یہ شادی کرتی تھیں کہ اب بیٹے کے لیے لڑکی نہیں بلکہ عورت تلاش کریں۔ واوی کو یہ سن کر آگ لگ جاتی تھی۔ وہ ابھی تک لبا کو پوڑھا ملنے کو تیار نہ تھیں تو ڈاکٹر چاچو تو واقعی خیر سے ابھی جوان جہاں بلکہ نوجوان تھے۔ ”نوجوان“ واوی کی نگاہوں میں انہیں تو سولہ سال کی لڑکی بھی مل سکتی تھی۔

ویسے ای، ساس کوچ، انے کے لیے دہلا کر تعلق جو کمشنر داکٹر کرتی تھیں، ان میں زیادہ سچائی نہیں تھی۔



داوی کی کم عمر لڑکی مل جانے والی بات سے میں سو فیصد متفق تھی۔ خود میری ننھی لڑکی کلاس فیلو ز اور سہیلیاں باقاعدہ ڈاکٹر چاچو پر عاشق تھیں۔ اگر کسی دن یہ پتا چل جاتا کہ آج وہ مجھے کلج تک لے کر آئیں گے تو میرا پورا گروپ میرے ساتھ کلج کے گیٹ کے پاس بلاجماعت کھڑا ان کی آمد کا انتظار کیا کرتا تھا۔ ڈاکٹر چاچو ہفتے کی دو شیں سمجھ کر ان سب سے پٹا کر کے بات کرتے۔ بے چارے کو کیا پتا تھا کہ جنہیں بھولا معصوم اور بچہ سمجھ کر وہ پٹا کر رہے ہیں وہ میری چاچا بننے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔

بیٹا اور سیکنے نے تو بڑی کمینگی سے کئی بار مجھ سے یہ تک کہا تھا کہ جب ڈاکٹر چاچو کی بیوی کا چٹا ہونے لگے تو اپنی ممکنہ چاچیوں کی فہرست میں میں ان دونوں کا نام بھی ضرور شامل کر لوں لیکن مسئلہ یہ تھا کہ چاچیوں کا چٹا ہونے کا ہمیں موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ شروع میں تو ڈاکٹر چاچو نے خود اپنی شادی کے لیے سختی سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ ابھی وہ مزید تعلیم حاصل کرنا اور اپنا کیریئر بنانا چاہتے ہیں مگر پھر جب وہ لندن سے اپیشیا ریزیشن کر کے آئے اور ان کا کیریئر بھی ان کی حسب خواہش بن چکا تب داوی اور دونوں بچوں پھوپھو نے اس گھر کی دوسری بیوی کی تلاش شروع کی۔ اب ان کا اتنا قاتل لائق فائق ڈاکٹر بیٹا تھا اس کی ہونے والی بیوی کو اس کی طرح قاتل ڈاکٹر تو ضرور ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ محاورہ "میں مصیبت میں ان سب نے جو تیاں گھنٹی شروع کیں۔ ان کی پسند کے مطابق لڑکی ملنا اس لیے ناممکن تھا کہ ایک لڑکی ہو بہت حسین بھی ہو، اچھی فیملی سے بھی ہو، اس نے صرف ایم بی بی ایس ہی نہ کیا ہو بلکہ کسی خاص شعبے میں اپیشیا ریزیشن بھی کر چکی ہو اور عمر اس کی بیس آئیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ آخر کہاں مل سکتی تھی۔ ابھی ان کی یہ تلاش جاری تھی کہ ابا کو اس بات کی پہنک پڑ گئی۔ وہاں اور بہنوں پر خوب فغا ہوئے۔

"اب آپ لوگوں میں سے کوئی گھر گھر منہ اٹھا کر نہیں جائے گا۔ لڑکیاں دیکھنے کے اور دس طریقے

ہیں۔ شادی بیاہ کی کسی تقریب میں کسی عید پر کسی میلے میں یا اور کسی بھی طرح کی پارٹی میں لڑکیوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔"

ایسی کتنی شخصیں یہ ماں بہنیں بھائی کی شادی ہونے نہیں دیں گی۔ بیس سال کی انہیں پوسٹ گریجویٹ کی ہونی ڈاکٹر چاچے تھی۔ کوئی عقل کی بات بھی تھی؟ مگر تب کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ ماں بہنوں سے زیادہ اپنی شادی میں رکاوٹ تو خود ڈاکٹر چاچو ہیں۔ یہ سب کو اس وقت پتا چلا جب داوی اور پھوپھو بچوں کا بلا آخر ایک لڑکی پر اتفاق ہو گیا۔ وہ پچھو کے پرئوس میں رہتی تھی۔ دلی پٹی، حسین سی گائنا کولو جسٹ۔ جسے دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی میڈیکل کلج سے پاس آؤٹ کر کے نکلی ہے۔ ابا کی نصیحت اور دھمکی پر کلج دھرتے کسی نے بھی اس کے گھر والوں سے رشتے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ لوگ ابھی یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ ان کی بیٹی کو اس حوالے سے پسند کیا جا رہا ہے۔ سب یہ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر چاچو بھی ایک بار اسے دیکھ لیں پھر رشتے کی بات چلائی جائے۔

پچھو نے زبردستی اپنے گھر پر ایک گیٹ نوٹیدر کا اہتمام کیا اور وہاں اس کی پوری فیملی کو بھی مدعو کیا۔ وہاں انہوں نے ان دونوں ڈاکٹروں کا آپس میں تعارف کروایا اور انہیں باہم گفتگو کا موقع بھی فراہم کیا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ کوئی احمق ہی اس سے شادی سے انکار کر سکتا تھا اور ہمارے چاچو محترم نے اپنی حماقت کا بڑے آرام سے اعلان کر دیا تھا۔

"وہ انڈین فلموں کی شوقین ہے۔"

چاچو نے یہ بات اس طرح بتائی گویا کہنا چاہتے ہوں۔ "وہ شراب کی شوقین ہے۔"

"میں نے اس سے اس کی پہلی پوچھیں تو بتایا اس کی واحد بلی انڈین فلمیں دیکھنا ہے۔ وہ شاہ رخ خان کی ہر فلم پر پکارتا ہے۔"

اسکس میں شمار کی جاتی ہیں، ان کے لیے انڈین فلموں کا نام لیا جاتا بھی گلی تھا اس بات کو بنیاد بنا کر وہ کسی لڑکی سے شادی سے انکار کر دیں گے ایسا تو کسی کے ہونے ممکن میں بھی نہیں تھا۔

"وہ شاہ رخ اور ماہووری کی بہت بڑی فین ہے۔"

ڈاکٹر چاچو بول رہے تھے۔ گویا وہ بے چاری کسی بہت بڑے گناہ کی مرتکب ہو گئی ہو۔

"مگر انڈین فلمیں دیکھنا قابل گردن زنی جرم ہے تو اس جرم کا سب سے زیادہ ارتکاب خود ان کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں۔"

یہ میں نے نہیں، امی نے کہا تھا۔ اتنی خوبصورت، قابل اور اچھی فیملی کی لڑکی انہوں نے اس کے انڈین فلموں کو پسند کرنے کے جرم میں تاپند کر دی تھی۔ کوئی تک بھی بھلا۔ اتنی مشکلوں سے تو داوی اور پھوپھو ا کا ایک لڑکی پر اتفاق ہو سکتا تھا۔ گھر میں سب چاچو پر فغا سے فغا ہوتے تھے۔ پر انہیں اس فحاشی سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ ابا کے ناراض ہونے پر انہوں نے اپنی پسند صاف صاف بتا دی تھی۔ وہ داوی اور پھوپھو کی طرح اس کمینہ فکر سے تعلق نہیں رکھتے تھے کہ ڈاکٹر کی بیوی کو ڈاکٹری ہونا چاہیے۔ انہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ان کی ہونے والی بیوی ڈاکٹر ہو یا نہ ہو۔ بس اسے اعلا تعلیم دینا ہونا چاہیے تھا۔ چاہے اس کی فیملی جو بھی ہو۔ انہیں لڑکی کے بے تحاشا حسین ہونے سے بھی کوئی فحاشی نہیں تھی۔ قبول صورت لڑکی بھی چل سکتی تھی۔ اگر اس میں وہ تمام اوصاف موجود ہوں جو وہ اپنی ہونے والی بیوی میں دیکھنا چاہتے تھے۔

اور وہ اوصاف کیا تھے؟

کے معاملے میں بہت اعلا درجہ کا ذوق رکھتی ہو۔ انڈین فلمیں دیکھنے والی، انڈین آرٹسٹوں کی باتیں کرنے والی لڑکیوں سے انہیں بہر تھا۔ خود ان کا کتابوں، فلموں اور میوزک میں بہت عمدہ ٹیسٹ تھا۔ اوٹ پناگ کتابیں بے سُرے گانے اور حقائق سے کوسوں دور تک کوئی تعلق نہ رکھنے والی فلمیں۔ (یہ سب ڈاکٹر چاچو کی آراء تھیں اور میرا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں۔) وہ ان سب سے ہمیشہ دور رہے تھے۔ مطالعے کے وہ بے حد شوقین تھے۔ ہر موضوع پر وہ بے تحاشا پڑھتے تھے۔ ایک ڈاکٹر جو غالب کے نسبتاً غیر معروف اشعار اور شیکسپیر کی مختلف لائسنزروالی سے اپنی گفتگو میں شامل کرتا ہو، تھی ناظر مختلف سی بات۔ ایک ایسی لڑکی جو اچھی کتابوں کا بھی شوق رکھتی ہو، کلاسیکل میوزک میں بھی دلچسپی رکھتی ہو اور کلاسکس میں شمار کی جانے والی معیاری فلموں سے بھی شغف رکھتی ہو۔ اس کا ملنا ناممکن تو نہیں، پر مشکل ضرور تھا۔

ایسی یقیناً بہت سی لڑکیاں ہوں گی۔ پر چاچو کی قسمت ہمارے جاننے والوں میں رشتہ داروں میں یہاں تک کہ خود چاچو کی کونیکشنز میں ایسی کوئی لڑکی موجود نہیں تھی۔ کسی کو کتابوں کا شوق ہوتا تو فلموں اور میوزک کے میدان میں وہ انڈین فلموں کا نام لے کر فوراً اپنے نمبر گواہی اور کسی کا فلموں میں ذوق اچھا ہوتا تو کتابیں پڑھنے سے اسے پھرے سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہوتی۔ عجیب مصیبت تھی۔ داوی اور دونوں بچوں بہت ہی جلد بارمان کر بیٹھ لیں اور ڈاکٹر چاچو کو یہ اجازت دے دی کہ وہ اپنی مرضی کی لڑکی خود تلاش کر لیں کہ ایسا "گوہر نایاب" انہیں کیس دستیاب نہیں ہو سکا۔ ابا ڈاکٹر چاچو کی اس فرمائش کو پاگاز اور احمقانہ قرار دیتے تھے۔

داوی کہتی تھیں "یہ ان دونوں بھائیوں کا مشترکہ شوق انہیں اپنے باپ سے وراثت میں ملا ہے۔ کسی زمانے میں ابا بھی ڈاکٹر چاچو کی طرح کتابوں، فلموں اور میوزک میں اتنی ہی دلچسپی اور اتنی ہی اعلا قسم کا ذوق

رکھتے تھے؟



رکھا کرتے تھے۔ ۴۴ می کا اس بات پر منہ بن جاتا تھا۔  
"کسی زمانے" کا لفظ استعمال کیے جانے کا صاف  
مطلب یہ تھا کہ اسی نے اگر ان کے غلط فہمی کو ٹھیک  
کو کسی کام کا نہیں رہنے دیا۔

"نئی مرحوم کو کہاں سے یہ وراثت بیٹوں میں منتقل  
ہوئی؟ ہم نے کتاب تو چھوڑ بھی اخبار پڑھتے تک نہیں  
دیکھا تھا۔" اسی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتیں۔

ویسے یہ سچ تھا کہ ابابو میں نے بھی کوئی کتاب پڑھتے  
نہیں دیکھا تھا۔ پتا نہیں انہیں ایسا شوق کب رہا تھا۔  
اب تو وہ صرف اخبار ہی پڑھا کرتے تھے اور اس دوران  
بھی اسی مختلف گھر لو اور خاندانی مسئلے مسائل ان کے  
گوش گزار کیے جاتی تھیں۔ ڈاکٹر چاچو کو حامل اپنی  
پسند کی لڑکی نہیں مل سکی تھی اس لیے ابھی تک ان  
کی شادی کا معاملہ جنوں کا توں انکا ہوا تھا اور ان کی  
شادی مسلسل لیٹ ہوئی جلی جا رہی تھی۔ جو داوی اور  
ابا کو خاصا فکر مند کر رہا تھا۔

"پتا نہیں اس سے راک بھی بویں بنا کرے گا یا  
ستار اور ہارمونیم بجا لیا کرے گا۔" کلاسیکل میوزک  
سے شغف رکھنے والی چاچو کی خواہش پر اسی جل کر  
تبصر کیا کرتیں۔ چاچو کے پاس مشرق مغرب اور دیگر ہر  
طرح کے کلاسیکل میوزک کی سی ڈیز، کیٹسٹس وغیرہ  
کا زبردست کُلکشن تھا۔ یہی حال فلموں کا بھی تھا اور  
کتابیں۔ وہ تو ان کی اسٹڈی میں ایک سے بڑھ کر  
ایک بھری پڑی تھیں۔ چاچو کہتے تھے "وہ دوسرے  
لوگوں سے ان کی ذہنی سطح اور معیار کے مطابق گفتگو  
کر سکتے ہیں" اپنی بیوی کو وہ سولہ صد اپنی ہی ذہنی سطح کا  
دیکھنا چاہتے ہیں۔

اپنے اتنے شاندار اور ثور و نایاب خیالات رکھنے  
والے چاچو کے لیے میں ہنی کا انتخاب کر رہی تھی۔  
ڈاکٹر چاچو انڈین سولیس اور انڈین فلموں سے ناال اور  
ہنی ان کی عاشق "کون کون سی فلمیں ریلیز ہو چکی ہیں اور  
کون سی ریلیز ہونے والی ہیں" ان سب کی اپ نوڈٹ  
معلومات رکھنے والی۔ کتابیں پڑھنے سے انہیں قطعاً  
کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اپنی فیلڈ سے ہٹ کر دوسرے

کسی موضوع پر کتابیں پڑھنے کا شوق نہ تھا۔  
رہا تھا بلکہ وہ تو اخبار بھی بحالت مجبوری صرف حالات  
حاضرہ سے باخبر رہنے کے لیے دیکھ لیا کرتی تھیں۔  
واقعی وہ "ویٹھٹی" تھیں، بڑھتی نہیں اور رہا  
میوزک۔ تو وہ تمام باب گلوکار جو چاہے دیکھی ہوں یا  
پسند کی انہیں محبوب تھے، جنہیں چاہو بے سزا کہا  
کرتے تھے۔ ذاتی پسند ناپسند میں دونوں ایک دوسرے  
کی ضد اور اپنی اپنی ذات میں بقول اسی کے بالکل اور  
خطی سے۔ میں ان دونوں پانگوں کو باہم ایک کر دینے  
کے خواب دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر چاچو میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو کسی بھی لڑکی  
کے آئیڈل میں ہو سکتی ہیں، سوائے اس کتابوں  
فلموں اور میوزک والے کریز کے۔ ہنی سے میری  
محبت کا یہ واضح ثبوت تھا کہ میں ان کے لیے ایک  
شاندار بندہ پسند کر رہی تھی۔ رہے چاچو تو ہنی ان کے  
لیے بہت اچھی بیوی ثابت ہو سکتی تھیں۔ یہ کہاں لکھا  
ہوا ہے کہ اچھی کتابوں، اچھی فلموں اور اچھے میوزک  
سے شغف رکھنے والی اچھی بیوی بھی ثابت ہوگی؟ پھر  
ہنی، اسی ہی کی بہن تھیں۔ جب بقول داوی کے اسی  
نے ابا کے فلموں، کتابوں اور میوزک کے اعلیٰ درجہ  
کے تمام شوق چھوڑ دیے تو ہنی بھی چند سالوں بعد چاچو  
کو ایسا ہی بنا دیں گی۔

اپنا بالکل بالکل سی ہنی کے لیے مجھے اپنے بالکل بالکل  
سے چاچو بھانسنے تھے اور اب تھوڑا سا بالکل پن شو  
کر کے مجھے یہ پرفیکٹ قسم کا بالکل کپل بنانا تھا۔ اپنے  
ذہن میں آتے اس منفرد اور شاندار خیال کو خیالوں کی  
دنیا سے نکال کر حقیقت تک پہنچانا انتہائی مشکل اور  
جان جو کھوں کا کام تھا مگر مجھے اسے کرنا تو تھا ہی۔



ہنی، رو جیل، بہروز اور بشر کے ساتھ بیٹھی ہمارے  
گھر آنے والے اردو اخبار کا ہفتہ وار میگزین کھولے  
ہوئے تھیں۔ وہ چاروں مل کر اس میں دے کسی بھی یا  
عامل صاحب کے اشتہار اور اس میں شامل لوگوں کے

ادوار کا مذاق اڑا رہے تھے۔  
"شادی! میں نے ہنی کی شادی کے لیے آپ سے  
فائل بنوایا تھا، ہنی کی شادی آپ کی دعاؤں سے بخیریت  
ہو گئی۔ اب نقش کا کیا کروں؟"

"پیر صاحب! میں نے بیٹے کی کینڈا میں ملازمت  
کے لیے آپ سے نقش لیا تھا۔ بیٹے کی ایک ماہ پہلے  
وہاں مستقل ملازمت ہو گئی اب نقش کا کیا کرنا ہے؟"  
"شاہ صاحب! میں نے اولاد زینہ کے حصول کے  
لئے آپ سے نقش حاصل کیا تھا" اللہ نے مجھے بیٹا  
دیا ہے اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"ہی! بااواز بلند سوالات پڑھ رہی تھیں اور رو جیل  
وہاں ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔  
"ہنی! آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے اور نقش اپنے  
پاس سنبھال کر رکھیں۔"

"ہی! آخری والے خط کا جواب پڑھتے ہوئے خود بھی  
لانا شروع ہو گئیں۔

"لگتا ہے یہ سارے خط پیر صاحب نے خود لکھے  
اب۔ ہر خط مسئلہ حل ہونے کے بعد لکھا گیا ہے اور  
مسئلے سارے وہ ہیں جو اس وقت ہمارے معاشرے  
کے سب سے بڑے مسئلے ہیں۔ ہنی کی شادی، بیٹے کی  
لڑکی، کیسے کیسے یہ پیر اور بابے سلوہ لوگوں کو بے  
دولت بناتے ہیں۔ پیر صاحب! اب میں کیا کروں؟ واہ  
وی معصومیت۔ کیوں گئی! تم کیا کہتی ہو اس بارے  
میں؟"

"ہی! نے مجھے بھی شامل گفتگو کرنا چاہا میں لاؤنچ میں  
اس لوگوں سے ذرا ہٹ کر بیٹھی ہوئی تھی اور ان چاروں  
کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھی۔ کل سے اب  
اب میں ایک ہی مسئلے میں الجھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر چاچو  
کی توجہ ہنی کی جانب کس طرح مبذول کروانی تھی یہ تو  
ملائی اور دھڑلے کے بعد میرے ذہن خیز ذہن نے سوچ لیا تھا  
کہ اسی! ان کے ساتھ کیا کروں؟ کچھ کچھ میں نہیں آ رہا  
تھا۔ میں نے ہنی کی بات کا جواب دینے کے بجائے فون  
کی طرف نگاہ کی جس کی گھنٹی بڑے زور و شور سے بجنا  
شروع ہوئی تھی۔

"ہیلو۔" میں نے ریسپور اٹھایا۔

"میں علی بول رہا ہوں، ڈاکٹر ماموں ہیں؟"  
"آج وہ "معلی بول رہا ہوں" کہ بعد چپ نہیں ہوا  
تھا۔ مجھ سے پہلے اس نے جس سے بات کرتی تھی اس  
کا نام لے دیا تھا۔

"کینڈا نہ ہو تو۔" میں نے ریسپور کو گھورا اور  
رو جیل سے بولی۔

"رو جیل! چاچو ڈاکٹر چاچو کو قتا کر آؤ ان کے بھانجے کا  
فون ہے۔" پھر میں ریسپور سائیڈ میں بیٹھنے ہوئے وہیں  
کھڑے ہو کر خالص زور سے بولی۔

"اتنے امیر لایا ہیں، بیٹے کو کتابیں نہیں خرید کر  
دیتے بے چارے کو یہاں وہاں سے مانگتی پڑتی ہیں۔"  
خاہر ہے ڈاکٹر چاچو سے کوئی کتاب مانگنے ہی کے لیے  
فون کیا گیا ہو گا۔ ہنی میری ہی ہوئی شکل دیکھ کر ہنس  
رہی تھیں جبکہ میں اسے یہ جملہ سنا کر اپنے کمرے میں  
آگئی تھی۔

"ابھی تک موڈ خراب ہے میری چند اکل۔" ہنی کافی  
دیر بعد کمرے میں آئی تھیں۔

"میں اس منحوس کے فون کو کب کا بھول بھی چکی  
تھی۔ کمرے میں آتے ہی میں نے ایک مرتبہ پھر ہنی  
اور ڈاکٹر چاچو کی شادی کس طرح ہو سوجنا شروع کر دیا  
تھا۔ انہیں شاید میری خاموشی اور سنجیدگی سے ایسا لگا  
تھا کہ میرا موڈ ابھی بھی اس موڈے آؤ کی وجہ سے  
خراب ہے۔ میرے پاس اتنا فالو خون نہیں تھا جسے  
میں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر جلائی۔

"یار گئی! میں ایسا کرتی ہوں، تیرا یہ مسئلہ پیر صاحب  
ہی کی خدمت میں پیش کر دیتی ہوں۔" شاہ صاحب!  
میری پیاری بھانجی کا بد تمیز منگیترا اسے گھاس نہیں  
ڈالنا۔ نہ نہ۔ آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ وہ بے چاری کوئی  
گائے یا بکری ہے۔ ویسے آپ چاہیں تو اسے معصوم  
گائے، بے زبان گائے یا اللہ میاں کی گائے سمجھ سکتے  
ہیں۔ ایسا نقش عطا فرمائیے کہ محبوب (منگیترا) اس  
معصوم کے قدموں میں آکر بیٹھ جائے۔"  
ہنی کے مسخرے پن پر مجھے بے ساختہ ہنسی آنے



لڑکی اپنے منگیتریا ہونے والے شوہر کے حوالے سے کیا کیا کچھ سوچتی ہے اور اس سے کیا کیا کچھ چاہتی ہے۔

میں نے بظاہر سادہ سے لہجے میں ان پر ایک بے رحمانہ تبصرہ کیا۔ اپنے ان بے رحمانہ اور ظالمانہ جملوں پر میں نے خود کو دل ہی دل میں ڈھیر ساری شاباش دی۔ ہنسی کے چہرے پر سے ایک پل کو مسکراہٹ واقعی غائب ہوئی تھی۔ میں نے انہیں یہ بات کہی ہی اتنے منہ پھٹ انداز سے تھی کہ وہ اپنی ازلی شوخی ایک پل کے لیے بھلا کر سنجیدہ ہو گئیں مگر پھر اگلے لمحہ وہ دوبارہ ویسے ہی من موعی موڈ میں آ گئیں۔

”اچھا چلو موڈ ٹھیک کرو، سونی پر مادھوری کی بہت اچھی فلم آرہی ہے۔ چلو وہ دیکھتے ہیں۔“ انہوں نے ٹی وی آن کر دیا۔ دادی کے ساتھ ہنسی کے بڑے خوشگوار تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ ان کے آجانے سے دادی کو اپنے ساتھ ایثار پلس کے ڈرامے دیکھنے والی ایک ہستی میسر آ گئی تھی۔ وہ دونوں گہری سیہیلپوں کی طرح ساس اور بہو کے مسئلے مسائل سے الگ تمام احقرانہ ڈرامے سے بڑے ذوق و شوق سے دیکھا کرتی تھیں اور ہنسی پر آتے اس پیار ہی کی بدولت دادی نے اپنی جانب سے غیر معمولی مہمان نوازی کی انتہا کرتے ہوئے اپنے کمرے میں رکھائی وی میرے کمرے میں رکھوا دیا تھا۔ جب تک ہنسی یہاں تھیں یہ ٹی وی یہیں رہتا تھا۔ ہنسی نے تکلفاً منع بھی کیا تو دادی نے ”میں تو ٹی وی لاؤنج ہی میں دیکھ لیتی ہوں یہ بیکار کمرے میں پڑا رہتا ہے“ کہہ کر ان کے انکار کو رد کر دیا۔

ہنسی کے سوا یہ سلوک کسی اور کے ساتھ ہوا ہوتا تو میں جل بھن کر کباب ہو جاتی۔ میں کبھی کچھ کہتی تو انہیں لگتا کہ مجھے بوڑھی دادی کے کمرے میں رکھائی وی اور دوسری سہولیات کھٹکتی ہیں۔ ایک تو یہ انہیں سلوک ہنسی کے ساتھ ہو رہا تھا اوپر سے خوشی کی بات تھی کہ مستقبل کی ساس بہو کے درمیان پہلے ہی سے خوشگوار تعلقات قائم ہو رہے تھے۔ جب یہ رشتہ دادی کے سامنے پیش ہو گا تو کیونکہ ہنسی ان کی بہو کی چھوٹی

لگی تھی مگر میں نے بڑی مشکلوں سے اس کا گلا گھونٹا۔ چونکہ اچانک ہی ایک آئیڈیا میرے ذہن میں آ گیا تھا اور کل سے جو میں ہر آئیڈیے کو بوگس اور ناقابل عمل قرار دیتے چلی جا رہی تھی اس وقت علی کے فون نے میرا وہ مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیا تھا۔ اپنے ذہن میں ایک مکمل شیطانی منصوبے کے آنے کی دیر تھی میں نے غور و فکر میں ڈوبے اپنے منہ پر خاصی اداسی طاری کی اور قصداً ”اسے دائیں جانب گرا دیا۔“

”Big show“ کے لیے اتنی اداسی چہ چسپ کیا ہو گیا میری بھانجی کے ٹیسٹ کو۔ ”ہنسی کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔“

”ہنسی! میں اس وقت بہت غصے میں ہوں، آپ مجھ سے بات مت کریں۔“

”ارے وہ تم سے بات نہیں کرتا تو تم بھی اسے نظر انداز کیا کرو۔ کیا ضرورت ہے اسے اہمیت دینے کی دفع کرو۔“ انہوں نے بیڈ پر میرے قریب بیٹھتے ہوئے جھٹ پٹ حل پیش کر دیا۔

”ہنسی! آپ کی کبھی کسی سے منگنی ہوئی ہوتی اور وہ آپ کو انگور کرتا پھر میں آپ سے پوچھتی۔“ دفع کرو دفع کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ جب ایک لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ اتنے قریبی رشتے میں بندھتی ہے پھر اس کی کیا فیلنگز ہوتی ہیں آپ کیسے سمجھ سکتی ہیں۔“ میں نے چڑچڑے پن سے انہیں جواب دیا۔ ”ایک لڑکی اور اس کی فیلنگز۔“ انہوں نے مجھے بغور دیکھا پھر شرارت سے ایک آنکھ دبا کر خالص فلمی لہجے میں بولیں۔

”نگی! کہیں تمہیں اس سے پیار تو نہیں ہو گیا؟“ میں نے اپنی مسکراہٹ کو بڑی مشکلوں سے ضبط کر کے چہرے پر غصے اور ناراضی سے بھرپور تاثرات سجالیے۔ ”رہنے دیں ہنسی! آپ کے ساتھ اس موضوع پر بات کرنا واقعی بے کار ہے۔ آپ میری فیلنگز کو ہرگز ہرگز نہیں سمجھ سکتیں۔ اصل میں آپ کا قصور نہیں ہے۔ آپ ابھی کسی کی ساتھ ایسے رشتے میں بندھی ہی نہیں ہیں۔ کیسے جان سکتی ہیں آپ یہ بات کہ کوئی



ہم ہیں یہ کہہ کر دوا دی اسے مسترد نہیں کیا میں گی۔  
مجھے اپنے خیالی پناؤ پر بھی بھی آری تھی۔ ابھی یہ  
سب کتنی دور کی باتیں تھیں نا۔

\*\*\*

"کیسے ڈاکٹر نگار۔" میں ڈاکٹر چاچو کے کمرے میں  
آئی تو انہوں نے شوخی اور شرارت سے میرا استقبال  
کیا۔

ہم دوستوں نے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہو جانے  
سے پہلے ہی ایک دوسرے کو ڈاکٹر بنا ڈاکٹر بنا ڈاکٹر بنا  
اور ڈاکٹر نگار و میرو وغیرہ کنسا شروع کر دیا تھا اور کوئی ابھی  
ہمیں ڈاکٹر نہیں مان رہا تو چلو ہم خود تو آپس میں ایک  
دوسرے کو عزت دے لیں۔ یہ طرزِ خطاب ایک بار  
ڈاکٹر چاچو کے کالوں میں بڑ گیا تھا اور تب سے وہ مجھے  
اس نام سے پھیلنے لگے تھے۔ کیا ہوا جو ڈاکٹر صاحب کو  
ابھی سوائے بی بی چیک کرنے کے جو میڈیکل کالج میں  
داخلے سے بہت پہلے ہی ڈاکٹر چاچو سے سیکھا تھا اور کچھ  
نہیں آتا تھا، تھی تو میں مستقبل کی ڈاکٹری بنا۔

"ڈاکٹر چاچو! مجھے آپ سے ایک کام تھا۔" میں ان  
کے پاس آئی۔

وہ اس وقت عابدہ پروین کو سن رہے تھے اور ہاتھ  
میں ان کے اسلامک آرگنٹس پر کوئی کتاب تھی۔  
میرے ذہن میں اس منظر کو دیکھ کر ہنسی آنے لگیں جن  
سے ابھی ابھی میں شاہ رخ اور رتنک کی اس سال  
ریلیز ہونے والی تمام موویز کی تفصیلات سن کر آئی  
تھی۔ ڈاکٹر چاچو کتاب بند کر کے پوری طرح میری  
طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"اگر آپ اپنے پاس رکھی موویز کی وی ڈیز میں  
سے مجھے ایک دو دے دیں تو۔"

"یہ میرے کان کیا سن رہے ہیں؟" انہوں نے  
حیرت سے میری بات کانٹے ہوئے کہا۔ میرے  
"ذوق" کا انہیں بہت اچھی طرح اندازہ تھا۔

"مجھے اپنے لیے نہیں، ہنسی کے لیے چاہیے۔ وہ  
بے چاری یہاں آرا تھی بور ہو رہی ہیں۔ اب ان کے

مطلب کی موویز تو صرف آپ کی سپلائی میں ہیں۔  
ہیں۔"

میں نے اپنی شکل پر ڈھیر ساری معصومیت اور  
مجبوری طاری کی۔ ڈاکٹر چاچو اپنی دنیا میں گمن رہنے  
والے انسان تھے انہیں ہنسی کے بارے میں سوائے  
اس بات کے کہ وہ ان کی بھانجی کی چھوٹی بہن ہیں اور  
کچھ نہیں معلوم تھا پھر وہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض  
سے کئی سال ملک سے باہر رہے تھے اس لیے وہ ہنسی  
کے بارے میں اور ہنسی ان کے بارے میں کچھ خاص  
نہیں جانتے تھے۔ میں ان دونوں سے ان دونوں کے  
بارے میں جو کچھ بھی کہہ دیتی اس پر انہیں فوراً "یقین  
آجاتا تھا۔

"اچھا یہ آواز تمہارے کمرے سے آ رہی ہے۔"  
چاچو نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جی "آند" ہے۔ ہنسی دیکھ رہی ہیں اس لیے تو  
میں آپ کے پاس آئی کہ ان بے چاری کو پوریت  
دور کرنے کے لیے کئی دفعہ کی دیکھی سوئی کلم پھر دیکھنی پڑ  
رہی ہے۔"

"آند" چاچو کے معیار کے حساب سے اچھی  
فلموں میں شامل کی جاتی تھی یا نہیں یہ تو مجھے معلوم  
نہیں تھا مگر اتنا ضرور کسی میگزین میں پڑھا تھا کہ اس  
فلم کا شمار کلاسکس میں ہوتا ہے۔ ہنسی کو بڑی مشکلوں  
سے ہی فلم لگائے رکھنے پر یہ کہہ کر گامہ کیا تھا۔

"ہنسی! مکمل ہونہ ہو "آند" ہنسی کا توری میک ہے۔  
پلیز سی چینل لگا رہے دیں۔"

وہاں وہ فلم لگوا کر اور وہ بھی ذرا اونچی آواز میں میں  
چاچو کے کمرے میں آئی اور آتے ہی اس بات نے مجھے  
تقویت پہنچائی کہ چاچو کا کمرہ جو میرے کمرے کے  
بالکل برابر میں تھا وہاں فلم کا ایک ایک ڈانڈلاگ  
صاف سنائی دے رہا تھا۔

"لے لو جو مووی تمہیں چاہیے۔" وہ مجھے ساتھ  
لے کر اپنے موویز کے عظیم الشان ذخیرے والے  
شیٹ کے پاس آگئے۔ اس شیٹ پر ڈھیر ساری وی  
سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز موجود تھیں۔ اب اس انتخاب

"کس طرح کی موویز پسند ہیں انہیں؟"  
"ہر وہ مووی جس میں روتھک موجود ہو۔" ڈاکٹر  
چاچو کے استفسار پر میں نے دل میں کہا۔  
"وہ انگلش اور اردو دونوں فلمیں شوق سے دیکھتی  
ہیں۔"

"پتا نہیں۔" میرے جواب میں احتقانہ کیا بات  
تھی جو چاچو مسکرائے تھے۔ چلو اگر میں احمق اور  
مادامہ ثابت ہو بھی رہی تھی تب بھی خیر تھی۔ بس  
ای کی ایسا ثابت نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے تمام  
وی سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز پر سنجیدگی سے نگاہیں دوڑائی  
شروع لیں۔

"Lawrence of Arabia"

"Gone with the Wind"

"Great "Roman Holiday"

"Barefoot "The hours occurs"

Ten commandments "The Devils"

"امریکیم، مغل اعظم، تو صدمہ، پاکیزہ، پتا نہیں  
کون کون سی موویز تھیں۔ سارے نام میرے ذہن  
میں گنڈے ہو رہے تھے۔ ان سب میں سے میں نے  
صرف "مغل اعظم" اور "The hours" کے نام  
میں رکھے تھے۔ "مغل اعظم" دلپ کمار اور "جب  
پیار کیا تو ڈرتا کیا" والے گانے کی وجہ سے اور  
"The Hours" نکول کنڈین کے آسکر ایوارڈ کی

ڈاکٹر چاچو نے میری نگاہیں "The hours"  
پر پڑائیں تو پتا نہیں درجینا ولف کا نام لے کر مجھے کیا  
کی مشکل باتیں بتانے لگے۔ نجانے یہ درجینا ولف  
کی کون سا سب میرے سر پر گزرا تھا۔

"The hours" ہنسی نے دیکھی ہوئی ہے وہ مجھ  
اس کی بہت تعریف کر رہی تھیں۔"  
میں نے چپکے وقتوں میں جھوٹ بولنے والوں کے

منہ نیڑے ہو جایا کرتے تھے۔ شکر ہے اب ایسا نہیں  
ہوتا۔ میرا جواب سن کر چاچو مسکراتے ہوئے بولے۔  
"تیرا فلم سب لوگوں کے لیے نہیں ہے یہ صرف  
ان ہی لوگوں کو اچھی لگ سکتی ہے جو اپنی ذوق رکھتے  
ہیں۔"

فکر تھا "ذوق" میرے پاس نہیں تھا۔ یہ کون سی  
قسم کی فلم تھی جسے دیکھنے سے پہلے

Mrs Dalloway اور "The hours" نام  
کی کتابیں پڑھنا ضروری تھیں۔ فلم دیکھنا گویا ایس  
ایس کے ایگزٹرائز کی تیار کرنا تھا۔ میں نے ذرا سے غور  
و فکر کے بعد "Barefoot" اور "تو" اٹھالیں۔

"ڈاکٹر چاچو! آپ کے پاس میوزک کا بھی اتنا اچھا  
کلیکشن ہے جیسا میوزک میں سنتی ہوں اسے تو ہنسی  
بے سزا لگتی ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دو  
سی ڈیز لے جاؤں؟"

"ہاں لے جاؤ۔ ویسے اگر وہ اپنی پسند سے خود اگر  
لیتیں تو زیادہ بہتر تھا۔"

"ہنسی ذرا تکلف کرتی ہیں ڈاکٹر چاچو! آپ کے  
انتخاب سے متاثر ہیں مگر خود کینے نہیں آئیں گی۔"

ڈاکٹر چاچو نے میرے جواب پر بات سمجھ لینے  
والے انداز میں سر ہلایا تو میں نے جلدی جلدی بغیر کچھ  
پڑھے میوزک کی ٹین سی ڈیز اٹھائیں اور پھر واپس  
اپنے کمرے میں آئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں؟" ہنسی ٹی وی اسکرین کی  
طرف اکتائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"آتی فضول فلم ہے ایک سین شروع ہوتا ہے تو  
ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا اور یہ راجیش کھنہ اس  
سے کہیں اچھا تو شاہ رخ لگا ہے۔" مکمل ہونہ ہو۔"  
میں نے ہنسی کی نگاہوں سے چھپا کر وی ڈیز  
اور سی ڈیز جلدی سے انباری میں رکھیں اور پھر ٹی وی  
بند کر کے ہم دونوں لٹو کھیلنے لگے۔ اس فلم سے بہت لٹو  
کھیلنا لگ رہا تھا ہنسی کو۔ یا اللہ یہ تیل منڈھے چڑھے کی  
کیسے؟ میں نے کراہتے ہوئے سوچا۔

\*\*\*



میں اسٹور میں کوئی کتاب ڈھونڈنے نہیں تھی۔ مجھے تو وہاں صفائی کرنے کے لیے بھیجا گیا بلکہ دھکیلا گیا تھا۔ وہاں جانا حکم حاکم تھا اور میں بے چاری حکم ماننے پر مجبور۔ میری چھٹی کا بہترین مصرف ای کو یہ نظر آیا تھا کہ مجھ معصوم سے اسٹور کی صفائی کرولی جائے۔

”کہاؤ خانہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ اگر وہ اسٹور روم ہے تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہاں پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نہ چھوڑی جائے۔“

اسٹور تو اسٹور ہی ہوتا ہے ڈرائنگ روم تو نہیں۔ پتا نہیں ہمارے اسٹور کا معائنہ کرنے کسی کی ”تشریف“ آنے والی تھی جو وہاں کی صفائی از حد ضروری تھی۔ امی کا صفائی تھرائی کا یہ جنون اور کسی کی تو نہیں ”اکثر میری ہی مصیبت لے آیا کرتا تھا۔ ہماری امی کو آپ ”جیلا اسپیشلسٹ“ بھی کہہ سکتے ہیں۔ جالے صاف کرنے میں انہوں نے واقعی پی ایچ ڈی کر رکھا ہے۔ ایسی ایسی جگہوں پر وہ گھسے اور جالے پر آمد کر لاتی ہیں جہاں عام آدمی کی نگاہ پہنچ بھی نہیں سکتی۔ حالانکہ ابانے گھر میں تین تین مایاں رکھی ہوئی ہیں ”ان میں ایک تو صبح سے شام تک کے لیے رکھی ہوئی ہے پھر اوپر کے اور گھر سے باہر کے کام کرنے کے لیے ایک لڑکا الگ ہے۔ ان سب کے باوجود امی کی تشفی اپنے ہاتھوں ہی سے صفائی کر کے ہوتی تھی۔ واوی تک کو ان کے صفائی کے جنون سے ہول اٹھتے تھے۔“

”جن کونوں میں میں تھکتی ہوں وہاں کوئی نوکر کھس سکتا ہے؟ اگر میں تھوڑے دنوں کے لیے بھی کہیں چلی جاؤں تو گھر میں کیڑے پڑ جائیں گے۔“ میں نے پڑھائی کا بلانا بناتے ہوئے اس کام سے بچنے کی کوشش کی تو امی نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا۔ اور یوں مجھے اسٹور میں آتے ہی بنی۔ وہیں صفائی کے دور ان مجھے بہت ساری کتابیں بڑے خستہ حالوں میں اور بے ترتیبی سے ایک کے اوپر ایک رکھی ملیں۔ اس کا مطلب ہے واوی ”ابا کے کتابوں کے شوق کے

بارے میں صحیح بتاتی تھیں وہ ابا کی کتابیں تھیں اور بڑے دکھ بھرے لمحے میں مجھ سے کہہ رہی تھیں۔ ”دیکھو ہمیں جو دیر غیبت نگاہ ہو۔“ بعضوں نے نیو نور کی طرز پر ”بھی ہم پڑھ جاتے تھے۔“

میں نے ڈاکٹر چاچو کی کتابوں کا مستقبل سوچا۔ یار بے ضرر ساری تو شوق ہے چاچو کا ”ہنی سے کول کی۔“ اس معاملے میں امی کی بہن ہونے کا ثبوت مت دیتے تھے۔ ان کتابوں کو دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں ایک دوسری بات اور آئی تو میں نے ان میں سے ایک نسبتاً ”اچھی حالت میں موجود کتاب اٹھالی۔“

وہ تھامس ہارڈی کی ”Jude the obscure“ تھی۔ میں اس راسخ کے بارے میں بہرے سے کچھ نہیں جانتی تھی پر یہ ابا کا فیلشن تھا ”یقیناً“ اچھی سی کتاب ہوگی۔ میں اس ناول کو صفائی کے بعد اپنے ساتھ اٹھالائی تھی۔ ڈاکٹر چاچو بچ کر گھر آیا کرتے تھے مگر یہ آمد قدرے تاخیر سے ہوتی تھی ”اور ہم گھر کے افراد بچ کر چکے ہوتے تھے اور جنہیں قیلول فرمانا ہوتا تھا وہ سب بھی تھے ہوتے تھے۔ چاچو کی پریکٹس بہت اچھی چل رہی تھی۔ تین ساڑھے تین بجے بچے کے لیے گھر آکر اور آدھ پون گھنٹے بعد واپس چلے جانے کے بعد پھر وہ رات دس بجے گھر لوٹا کرتے تھے۔ دس بجے بھی وہ لبا کے بے انتہا ناراض ہونے پر آنے لگے تھے ورنہ پہلے تو رات کے بارہ بجے تک ان کا پتا نہیں ہوتا تھا۔ ابانے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔

”کوئی ضرورت نہیں پیے کے پیچھے اس طرح بھاگنے کی کہ اپنی صحت تک برباد کر ڈالو تمہارے دوسرے کو لیکر ایسا کرتے ہیں تو انہیں کرنے دو تمہارے پاس تمہارے اپنے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے وقت نہ ہو تو پھر فائدہ ایسی محنت اور خواری کا؟“

امی ”چاچو کو بچھڑینے کے لیے جاگی ہوئی تھیں۔“

”امی آپ لیٹ جائیں ڈاکٹر چاچو کو کھانا میں دے دوں گی۔“

میرے نیک پردوں اور اچھی بیٹی بننے والی اس اوپر ال نے کافی حیرت سے مجھے دیکھا اور پھر سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں لاؤنج میں بے لگتی سے ڈاکٹر چاچو کا انتظار کر رہی تھی۔ ہارڈی کا ناول میں نے سینئر نیبل پرائز کے اس انداز سے رکھ دیا تھا کہ کوئی اسے پڑھتے پڑھتے کسی کام سے اٹھ گیا ہو۔ ”السلام علیکم ڈاکٹر چاچو!“ اللہ اللہ کر کے ان کی آمد ہوئی مٹی تھی۔

”آپ ہاتھ منہ دھولیں“ میں آپ کے لیے کھانا لائے آئی ہوں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے میرے سلام کا جواب دیا تو میں نے جھٹ یہ بات کہی۔ میں کھانے کی ٹرے لے کر لاؤنج میں آئی تو وہ فریش ہو کر اٹھکے تھے اور اب صوفے پر بیٹھے تھے۔ ساڈھ نیبل پرائز لکھا میگزین انہوں نے اٹھا کر دیکھنا شروع کیا ہوا تھا۔ ”ایک تو چاچو بھی ناں بس۔“ ساڈھ میں رکھا مگر انہیں نظر آگیا ”آنکھوں کے عین سامنے رکھی کتاب کھائی نہیں دے رہی۔“

”ایسا کیا؟“ انہوں نے کھانے کی خوشبو کو انجوائے کرتے ہوئے ڈشوں کے ڈسکن اٹھانے شروع کیے۔ ”گوتے“ واہ بھی مزہ آگیا۔ بھابھی بیگم کے ہاتھوں کے کوفتے بھوک نہ بھی ہو تو بھی کھانے کو جی چاہئے۔

”چاچو! کوفتوں کے پاؤں سے لگا ہیں ہٹا کر پلیز۔“ امی تو دیکھیں۔ ”کوفتوں کی قصیدہ خوانی ہوتے ہیں کہ میرا دل فریادی ہو رہا تھا۔ خود سے میں اس بارے میں کوئی بات شروع کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اور چاچو تھے کہ انہیں اس ایک ناول کے سوا وہاں سب دیکھ کر آ رہا تھا۔

”اسے یہ کیا ہے۔ ہارڈی کا ناول؟ یہ کون پڑھ رہا ہے؟“ آخر کار میری مشکل آسان ہوئی مٹی تھی۔ میں نے جانا ان کا ہاتھ مارے حیرت کے اپنی ہائی راک گیا تھا۔ ان کا حیرت سے گنگ ہو جانا اپنی

جگہ بجاتھا ”اس گھر میں ان کے علاوہ کتابوں کا شوقین کون پیدا ہو گیا؟“

”یہ ناول؟“ میں نے حیران نظر آنے کی بھرپور ایکٹنگ کی ”ایسے جیسے میں نے بھی اسے ابھی ہی دیکھا ہو۔“

”ہاں یاد آیا“ یہ ہنی پڑھ رہی تھیں رات میں یہاں بیٹھ کر۔ اصل میں لائٹ مجھے ڈسٹرب کر رہی تھی اور ہنی کو رات میں کچھ پڑھے بغیر نیند نہیں آتی۔ اس لیے وہ کتاب لے کر ریل آگئی تھیں۔ ”(اگر کہیں اداکاری کا مقابلہ ہو تو میرا خیال ہے میں اس میں اوکل پوزیشن حاصل کر لوں گی)“

ڈاکٹر چاچو کو یہ جواب دیتے ہوئے میرے ذہن میں ہنی آ رہی تھیں۔ جنہوں نے رات میرے ساتھ ”اسپاڈر مین“ دیکھی تھی اور جو یقیناً ”میری ہی طرح تھامس ہارڈی نام کے ان صاحب سے ملاقات ہی ہوں گی۔“

1895ء میں چھپا تھا یہ ناول ہارڈی کا آخری ناول ہے ”تب کے مغرب کی قدیس اب سے بہت مختلف تھیں۔ اسی لیے اس زمانے میں اس ناول پر بہت تنقید ہوئی تھی بہت شور مچا تھا۔ کافی برا بھلا کہا گیا تھا اور اس بے تحاشا تنقید کا اثر تھا کہ ہارڈی نے آئندہ نگاشن لکھنے سے انکار کر دیا تھا۔“

چاچو روایتی سے بولتے بولتے چپ ہوئے پھر میری طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہنے لگے۔

”رہنے دو“ میں غلط جگہ غلط بات کرنا شروع ہو گیا۔“

چاچو سے غلط جگہ غلط بات ہونے لگی تھی تو کیا ہوا کم از کم میں نے صبح جگہ صبح بات کر دی تھی۔ پرسوں رات جو میں ہنی کا نام لے کر فلمیں اور گانے ان سے لائی تھی انہوں نے ہی ہنی کا ایجنٹ چاچو کی نگاہوں میں زبردست بنا دیا تھا۔ مزید اس یہ ناول ”اس نے تو اس ایجنٹ کو چار چاند لگا دیے ہوں گے۔ اور پھر سب کچھ اتنی ہوساری سے کہ اس میں مکاری کا گمان تک نہ ہو۔ فلموں اور میوزک کی VCD اور CDS کا چاچو پر



اچھا اثر پڑا۔ یہ میں نے یوں جان لیا تھا کہ بنی کو آئے ہفتہ دس دن ہو چکے تھے اور ان تمام دنوں میں چاچو نے ان سے سلام دعا اور انتہائی رسمی قسم کی خیریت سے آگے بڑھ کر کوئی بات نہیں کی تھی۔ ان دنوں کی ملاقات بھی اکثر صرف ناشتے اور ڈنر کی ٹیبل پر ہوا کرتی تھی۔

مگر کل رات کھانے کے دوران چاچو نے بنی سے۔ ”آپ ٹھیک ہیں!“ خیریت سے ہیں۔“ سے ہٹ کر ان کی جانب کے حوالے سے کافی تفصیلی گفتگو کی تھی۔ یہ ایک شعبہ ایسا تھا جس میں بنی کی قابلیت میں کچھ شبہ نہیں تھا۔ انہوں نے پبلک ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کر رکھا تھا اور ایک بہت ہی بڑے ادارے میں کافی اونچی پوسٹ پر فائز تھے۔ ڈیڑھ سارے لوگ تو ان کے ماتحت کام کرتے اور ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ چاچو ان کی جانب اور پوسٹ سے خاصے امپریشن نظر آئے تھے مگر اس سے پہلے جن بے شمار لڑکیوں سے انہوں نے شادی سے انکار کیا تھا گھاس تو وہ بے چاریاں بھی نہیں کھووا کرتی تھیں اور نہ ہی ان میں سے کسی نے بنے دے کر ڈگریاں حاصل کی تھیں۔

جب سے ہٹ کر جب وہ بنی سے فلموں کتابوں اور میوزک والے موضوعات پر گفتگو کریں گے، پھر کیا ہوگا؟ چاچو کی توجہ میں نے بنی کی طرف مبذول تو کروادی تھی مگر آنے والے وقت کا سوچ کر پریشان بھی ہو رہی تھی۔

\*\*\*

کروانے آئی تھیں۔ مجھے تو اتنی باتیں یاد تھیں کہ میں بالوں کی رنگت کروالوں یا پھر کلیننگ کروالوں، باقی تو تھریڈنگ، دیکسنگ سب ابھی مجھ پر حرام تھیں۔

جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں میڈیکل کالج پہنچے ہوئے۔ ابھی سے یہ سب کچھ شروع کیا تو شکل پر پکا پکا آجائے گا۔ ساری مصدومیت ختم ہو جائے گی۔ ہر کام عمر کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔“

یہ ہماری اسی فرمان تھا، بتایا تھا میں نے اسی موقع محل کے حساب سے میری چھوٹائی بڑائی میں تبدیلی کرتی رہتی تھیں۔

نازہ نازہ ہرٹل فیشل لینے اور بالوں کو خوب صورت سا اسٹائل دلوانے کے بعد جب بنی میرے ساتھ سیلون سے باہر نکلیں تو کچھ اترا کر پوچھنے لگیں۔ ”کیسی لگ رہی ہوں میں گئی؟“ میں اتنی دیر سے ان کی خوب صورتی اور نزاکت پر غور کرتی انہیں دل میں سراپے جاری تھی، مگر زبان سے اس وقت میں کچھ اور بولنے کے موڈ میں تھی۔

”اچھی تو لگ رہی ہیں بنی! پر کیا فائدہ اس خوبصورتی کا؟ آپ کے پاس آپ کی اس خوبصورت سی تبدیلی کو سرائے والا کوئی ہے ہی نہیں۔ میں آپ کی طرح بے تحاشا خوبصورت نہیں، پھر بھی جب بھی مجھے ایسا لگتا ہے کہ کوئی رنگ یا کوئی لباس مجھ پر اچھا لگ رہا ہے تو دل چاہتا ہے علی میری تعریف کرے کہ جب وہ تعریف نہیں کرتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ آپ کا بھی دل نہیں چاہا بنی کہ ”کوئی“ آپ کو سراپے آپ کی خوبصورتی کی تعریف کرے؟ مجھے حیرت ہوتی ہے آپ پر، عورتیں اپنی تعریفیں سننے کے لیے تو اتنا بناؤ سنگھار کرتی ہیں اور آپ؟ آپ کی تعریف بہت سے بہت میں کروں گی، ائی کروں گی، کل آفس میں آپ کی فیسل کو لیکز کروں گی کہ کو لیکز کو آپ نے زیادہ بے تکلف نہیں کیا ہوا۔“

میں نے بظاہر بہت سادہ اور عام سے انداز میں ان کی بات کا جواب دیا اور پھر ان کا جواب جاننے کی بات کی۔

میں نے بغیر گاڑی کی طرف بڑھی۔ بنی ایک بل کو اشاری رہ گئی تھیں۔ میں پچھلے کئی دنوں سے ان کی طرف سے اس طرح ہاتھ رکھا کرتی تھی۔

”لانا“ ”لانا“ باتوں باتوں میں بڑے دل دکھانے والے انداز میں اسی طرح کی باتیں ان سے کہتی۔ ان کے سامنے جان بوجھ کر علی کا ذکر پھیلتی، وہ مجھے نظر انداز کرنا ہے، مجھے بھی کوئی گفت کیوں نہیں کرنا، میں کوئی فن کل کیوں نہیں کرتا، جیسی باتیں کرتی اور وہ میرا مذاق اڑاتے ہوئے غیر سنجیدگی سے کوئی بات کرتے لگتی تو میں انہیں۔

”آپ کیسے سمجھ سکتی ہیں ان احساسات کو؟ آپ کو کیا لانا؟“ ”فیلنگز کا؟“ نہ آپ کسی کی مکتبہ ترین نہ آپ کیسے جان سکتی ہیں اس رشتے کے حوالے سے ہونا والی کیفیت کو۔ کبھی کسی نے آپ کی گفت کی ہوئی یا کبھی آپ نے کسی سے محبت کی ہوئی یا پھر آپ محبت اور کمینٹ کے معنی سمجھ سکتے ہیں۔“

”بہت سنی کتنی اور وہ بظاہر ہنستے ہوئے میرے ان حوالوں کا کوئی غیر سنجیدہ سا ہی جواب دے دیا کرتی تھیں۔ میں ان کی آنکھوں میں پھیلی ناگواری دیکھ کر ہنس دیتا تھا اور بد لحاظ انداز میں کہتی تھی، ”ایسے جیسے وہ قابل ہی نہیں کہ کوئی ان سے محبت کر سکے اور میرا دل لے سکے۔“

”ہم کام ملی اور امی کی ڈانٹ ڈپٹ، غصہ، ناراضی، اور یہ امی نہیں کہانی تھی، وہ کام میرا غیر محسوس کام تھا۔“

”آپ اس قابل ہی نہیں کہ کوئی آپ سے محبت کرے؟“ ”ہاں کامیابی سے کر رہا تھا۔“

”امی اور امی کو وہ بچ کرتی تھیں اور میں انہیں بچ دیتی تھی۔ وہ بھی اس طرح کہ وہ بے چاری کھل کر ہنس دیتی اور ناگواری کا اظہار تک نہیں کر سکتی تھیں۔ ان سے چودہ سال چھوٹی ان کی بھانجی انہیں یہ

بتایا کرتی تھی کہ کوئی کمی تو یقیناً ان میں ہے، تب ہی تو کبھی کسی نے ان سے محبت نہیں کی۔ ورنہ شایاں تو بہت سے لوگ نہیں کرتے مگر ان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں کوئی ایسا ضرور آیا ہوتا ہے جس نے انہیں ان کے بہت خاص اور بہت حسین ہونے کا احساس دلایا ہوتا ہے، جس نے ان سے محبت کی ہوئی ہے۔

\*\*\*

”بنی! بس آپ دس منٹ انتظار کریں، مجھے کمپیوٹر پر تھوڑا سا کام ہے۔ میں یہ گئی اور یہ آئی۔ آپ تب تک یہ کبکھ لیں۔ بہت مزے کی ہے۔ جہاں پر میں نے بک مارک لگایا ہے، یہ صفحہ تو ضرور ہی پڑھیں۔ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جائیں گی۔“ بنی اور میں روز کی طرح واک کے لیے جانے کا ارادہ رکھتے تھے کہ میں نے انہیں اپنے ایک اسائنمنٹ سے متعلق کام کا حوالہ دے کر کچھ دیر رکھنے کو کہہ دیا۔

”ہناؤ اس کتاب و کتاب کو میں تب تک نی وی دیکھ لیتی ہوں۔“ وہ نی وی آن کر کے میرے سارے پروگرام کو چھٹ کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

”کچھ بھی نہیں آرہا نی وی پر۔ سارے چینلوں خراب آ رہے ہیں اور اسٹارپس تو برے سے لگ ہی نہیں رہا۔“

”یا اللہ! کہیں بنی اٹھ کر چیک نہ کر لیں۔“ میں نے دعا مانگی۔ شکر تھا انہیں میری زبان پر اعتبار تھا، میرے جھوٹ کو بچ مان کر وہ واقعی مشتاق احمد یوسفی کی ”ڈرگزشت“ جو میں نے انہیں اسٹور والے خزانے ہی میں سے لا کر دی تھی، دیکھنے لگیں۔ ڈاکٹر چاچو کے آنے کا نام ہو چکا تھا، پڑہا ابھی تک آئے نہیں تھے۔

”آپ اچھا میں نے ماحول ترتیب دیا ہے، وہ بھی بڑی مشکلوں سے۔ چاچو اپنی جلدی آجائیں۔“

بنی لاؤنج میں ایک کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی ہیں۔ بیک گراؤنڈ میں غلام علی کی غزلیں دھیمے دھیمے سروس میں بج رہی ہیں۔ یہ غزلیں میں نے لاؤنج کے برابر والے



کمرے میں لگائی تھیں اور ہنی یہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید انہیں اب اس رہے ہیں، کچھ بولی نہیں تھیں۔ یہ ایک پرفیکٹ پجوشن تھی، اب بس انتظار ڈاکٹر چاچو کا تھا۔

آخر کار ٹیرس پر سے میں نے ان کی گاڑی آتے دیکھ ہی لی۔ میں لاؤنج میں دانستہ چھ سات منٹ بعد آئی۔ ڈاکٹر چاچو، ہنی کے سامنے والے صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کی آنکھیں ہنی کو بھی دیکھ رہی تھیں اور اس کتاب کو بھی ”شباباش“ ویل ڈن۔ ”میں نے خود کو تھپکی دی۔ سلام دعا اور خیر و عافیت یقیناً ان کے درمیان ہو چکی تھی کیونکہ اب چاچو ان سے کسی اور موضوع پر بات کر رہے تھے۔

”ڈاکٹر چاچو! ہم لوگ تو کھانا کھا چکے، اگر آپ کہیں تو آپ کے لیے یہیں کھانا لے آؤں؟“

میں اتنے رومینٹک سین کو اتنی جلدی ختم نہیں کروانا چاہتی تھی۔

”کھانا تو میں کھا کر آیا ہوں۔ ہاں اگر تمہارا مہمان نوازی کا موڈ ہے تو ایک کپ چائے پلا دو۔“

”ہنی! آپ کے لیے بھی لے آؤں؟“ چائے کی تو وہ از حد شوقین تھیں۔ گہری نیند سے اٹھا کر بھی اگر انہیں چائے کا پوچھا جاتا وہ تب بھی انکار نہ کرتیں۔ پہلی مرتبہ میں کچن میں بڑی خوشی خوشی گئی۔

تین کپ چائے لے کر میں لاؤنج میں آئی۔ میں اس خوبصورت پجوشن میں بڑی بننا نہیں چاہتی تھی مگر ہنی سے ڈر بھی تو لگتا تھا، اگر ان کے منہ سے کچھ اُلٹا سیدھا نکل گیا تو میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ ڈاکٹر چاچو کے بارے میں تو پتا تھا وہ ہنی سے اس طرح کے کوئی سوال و جواب نہیں کریں گے جیسے کسی بھی ان محترمہ سے کرتے جو انہیں شادی کے لیے کچھ اچھی لگا کرتیں۔ عموماً ان کے سوالات ایسے ہوتے تھے۔

”آپ شاہ رخ کو زیادہ بڑا اداکار مانتی ہیں یا ریتھک کو؟“

”روشن آراء بیگم، بڑے غلام علی، مہدی حسن

وغیرہ پتا نہیں کس طرح کے لوگ انہیں پسند کرتے ہوں گے، آپ کا کیا خیال ہے؟“

”سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں اب کتابیں پڑھنا تو بڑی حماقت اور وقت کی بربادی ہی ہے۔ یہ دور تو انٹرنیٹ کا دور ہے۔“

ہنی کا امیج میں نے ان کی نگاہوں میں اتنا زبردست بنا دیا تھا کہ وہ شک و شبہ میں مبتلا ہو کر انہیں چیک کرنے کو ایسی کوئی بات کر ہی نہیں سکتے تھے، پر ہنی اگر کچھ بے تکابول جانتیں پھر؟

”Jude کے اوپر اتنا شور نہ مچتا اور اتنی بے تحاشا تنقید نہ ہوتی تو ہارڈی یقیناً مزید کئی ناولز لکھتا۔“ میں نے اندر آتے ہوئے سنا۔

ہنی حیران پریشان نگاہوں سے ڈاکٹر چاچو کو دیکھ رہی تھیں۔ چاچو کو ان کے جوابات کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اس وقت خود ہی بولنے اور ہارڈی کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کے موڈ میں تھے۔

”کردار نگاری اور منظر نگاری میں ہارڈی کا جواب نہیں۔ اس کے کردار زندہ جیتے جاگتے انسان نظر آتے ہیں۔ جن میں اچھائیاں بھی ہیں، برائیاں بھی۔ خیر اور شر دونوں پہلو ان میں پائے جاتے ہیں اور ان کے جذبات، ان کی سوچیں، ان کے رویے سب کے حقیقت سے قریب ہوتے ہیں۔ چاہے وہ

”Jude the obscure“  
The mayor of "Jude Fawcett"  
Michael Henchard "Tess of the d'Urbervilles"

ہو یا ”Tess of the d'Urbervilles“ کی ”Tess“ ہو۔ سب حقیقی کردار نظر آتے ہیں زندہ، سانس لیتے اور ہارڈی کی منظر نگاری۔ حالانکہ بہت سے لوگ اس کی اتنی بے تحاشا منظر نگاری کو کہہ کر تنقید کا نشانہ بھی بناتے ہیں کہ قاری کہانی میں آگے کیا ہوا، جاننا چاہتا ہے، مناظر کی خوبصورتی نہیں مگر میری رائے میں یہ ہارڈی کی بہت بڑی خوبی ہے۔ جہاں خود ہے، جو کچھ اپنے قاری کو دکھانا اور محسوس



کروانا چاہتا ہے وہ وہیں قاری کو لے جاتا ہے۔ اسے بھی وہی قدرتی حسن نظر آنے لگتا ہے جو مصنف کی آنکھ نے دیکھا اور اپنے قاری کو دکھانا چاہا تھا۔

”یہ محترم ہارڈی ہیں کون؟ اور ان کے متعلق مجھے کیوں بتایا جا رہا ہے؟“ ہنی ان ہی نگاہوں سے ڈاکٹر چاچو کو دیکھ رہی تھیں۔ قبل اس کے کہ چاچو ان نگاہوں کو دیکھ پاتے، میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان دونوں کو چائے پیش کر دی۔

چائے پینے کے دوران میں نے گفتگو کو دوبارہ ہارڈی کی طرف جانے نہیں دیا تھا۔ چائے پی کر چاچو اپنے کمرے میں چلے گئے اور ہم دونوں واک کرنے نکل آئے۔

”یار! اتنے بڑے چاچو کچھ ہلکے ہوئے سے نہیں ہیں۔ شاید اتنا زیادہ پڑھ لینے کے بعد لوگ ایسے ہی ہو جاتے ہیں۔“

”اللہ نہ کرے۔ بلاوجہ آپ میرے جینٹلس چاچو کو کھڑکا ہوا کیوں کہہ رہی ہیں؟“ میں نے صحت پر امانے والا انداز اختیار کیا اور ہنی کو قدرے ناراضی سے دیکھا۔

مجھے بے امانتا دیکھ کر ہنی نے اس بارے میں مزید کچھ نہ کہا۔

”آپ پر یہ پنک ٹکر کتنا اچھا لگ رہا ہے ہنی! اگر کیا فائدہ۔“ میں نے ایک درد بھری لہندی آؤ بھری اور پھر قصداً مکمل خاموشی اختیار کر لی پھر سارا وقت ہم خاموشی سے واک کرتے رہے۔

”آپ کو کیا پتا، آپ کیسے سمجھ سکتی ہیں، آپ کبھی کسی کو اچھی لگی ہیں؟“ جیسی باتیں میں ہنی سے اتنی کثرت سے کرنے لگی تھی کہ اب وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بالکل خاموش ہو جایا کرتی تھیں۔ میں ڈاکٹر چاچو اور ہنی دونوں کو ساتھ ساتھ کتنی کامیابی سے لے کر چل رہی تھی۔ اپنے زرخیز دماغ میں نے داؤد و خمیں سے نوازا۔ وہاں سے پرو پزل آجائے اور یہاں سے پرو پزل قبول کر لیا جائے، یہی میرا مشن تھا۔

گھر واپس آکر ابھی ہم دونوں اپنے کمرے میں آئے

ہی تھے ڈاکٹر چاچو نے دروازہ کھٹکے بغیر ہی ”یہ کتاب میں نے ابھی سم کی ہے۔ سوچا آپ کو بھی پڑھنے کے لیے دے دوں۔ اگر آپ نے ابھی نہیں پڑھی تو ضرور پڑھیں۔ اچھی کتاب ہے۔“ وہ میڈلین البرائٹ کی

**"MADAM SECRETARY"**

”تھی۔ کتاب ہنی کو دے کر چاچو واپس چلے گئے تھے۔

”تمہارے چاچو کو یہ وہم کب سے ہو گیا کہ مجھے کتابیں پڑھنے کا شوق ہے؟“ ہنی نے تعجب سے مجھے دیکھا۔

”آپ کو نہیں ہے تو کیا ہوا؟ خود ڈاکٹر چاچو کو تو ہے۔ آپ کو یہ کتاب انہوں نے مہمان نوازی کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے دی ہے۔ اگرچہ کہ اپنی کتابوں کے معاملے میں وہ کافی حساس بلکہ بد تمیزی کی حد تک رونا ہیں ہر کسی کو دیتے نہیں ہیں۔ آپ کے ساتھ یہ غیر معمولی سلوک شاید امی کی سن اور میری خالہ سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔“

میں نے ”غیر معمولی“ کے لفظ پر جان بوجھ کر خاص زور دیا تھا۔ ہنی نے چونک کر مجھ کو دیکھا۔ میں انجان بنی باول میں برش چلا رہی تھی۔

”سب مہمانوں کے ساتھ وہ اتنے خوش اخلاق اور مہمان نواز نہیں ہوتے۔ پچھلے مہینے ہالوارڈ ڈاکٹر چاچو کی ایک کزن امریکہ سے آئی تھیں۔ پورے دو مہینے ہمارے گھر میں رہیں اور جاتے وقت ڈاکٹر چاچو سے اس بات پر بہت ناراض ہو کر گئیں کہ انہوں نے انہیں بالکل بھی وقت نہیں دیا۔“

میں نے بستر پر آکر لیٹتے ہوئے قدرے لا پرواہانہ بے نیاز سے لہجے میں جملہ کہا اور پھر کروٹ بدل کر سونے کے لیے لیٹ گئی۔

جس غیر معمولی خوش اخلاقی کا احساس میں اتنی دوانا جا رہی تھی۔ چاچو نے اگلے ہی روز اس کو من کفرم کر دیا تھا۔

کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی تھی۔

”ٹاکا فون آیا تھا، ابھی۔ کل ڈاکٹر عزیز کا میٹ ہے، میں دونوں سے کلن جانیں رہی تھی۔ مجھے پکائی نہیں تھا۔“ میرے اتنے شاندار اور ہر وقت ہلانے والے جو کہ میں نے پہلے ہی سے سوچا ہوا تھا، ہنی کے تمام اعتراضات کو بیک جنبش قلم رد کر دیا۔

”میں اس کی جانوں۔ کیسا لگے گا لگی۔“ انہوں نے ہلکے سے مجھ سے کہا۔

”کیسا لگے گا کیسا۔ دعوت دی تو بنیادی طور پر ڈاکٹر چاچو نے آپ ہی کو تھی۔ مجھے تو یونہی اخلاقاً شامل کر لیا تھا۔ مہمان تو آپ ہیں ہمارے گھر پر اور چاچو شام غزل کے ٹکس آپ کی وجہ سے لائے ہیں۔

مجھ سے اور امی سے دو تین روز پہلے کہہ رہے تھے کہ آپ ہمارے گھر مہمان ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی انہیں کہیں پر بھی لے کر نہیں گیا۔“

ایک بات جو چاچو نے برے سے کبھی نہ مجھ سے کہی تھی اس میں بھی وہ میں نے ہنی کے سامنے اتنا ہی معصومیت اور سلوکی سے کی۔ ویسے چاچو نے بات کی نہیں تو کیا ہوا؟ لائے تو واقعی وہ یہ ٹکس اس کی وجہ سے تھے۔ گھروالے اور خود ہنی اس پر نہ کہیں اس لیے وہ دو کے بجائے تین ٹکس لے گئے تھے۔

”لی سی میں ایک شام فیض کے نام منائی جا رہی ہے۔ پانچالی اور تینو نور فیض کی غزلیں اور نظمیں سنیں گی۔ میں نے وہاں کے ٹکس منگوائے ہیں۔

آپ چلیں گی، نگار تم چلو گی؟“

ڈاکٹر چاچو نے رات کھانے کے دوران مجھ سے اور امی سے یہ بات کہی۔ میں تو واقعی طفیلی ہی تھی۔ چاچو نے مجھ سے کہ فرماؤں گا اور میرا سر سے کوئی واسطہ نہیں پھر بھی مجھ پر۔“ انہیں سب کی حیرتوں کا منہ بند کرنے کے لیے مجھے بھی شامل کرنا پڑا تھا۔ اس وقت میں نے بڑے زور و شور سے گردن ہلا کر اقرار کیا تھا اور اب جب جانے کے لیے ڈاکٹر چاچو اور ہنی تیار بھی

ہو چکے تھے اور خود میں بھی کپڑے بدل چکی تھی تب بڑی تجوری والی شکل بنا کر یہ عذر پیش کر دیا تھا۔ ہنی چاچو کے ساتھ اکیلے جاتے ہوئے پچھل چکی تھیں۔ یہ پچھل ہٹ اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ وہ جانا تو چاہتی ہیں۔

تھی ہجرت کی بات۔ ہنی اور غزلیں سننے کے لیے جانا۔ واقعی اس دنیا میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی امید کی جاسکتی تھی کہ ہنی آنے والے وقت میں ایک انگور سوری ڈاکٹر چاچو کے لیے اور بھی کافی کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گی۔ اب اسے مداخلت کر کے اس پروگرام کو کینسل ہونے سے روک دیا تھا۔

”نئی نہیں جا رہی تو تم لوگ کیوں اپنا پروگرام خراب کر رہے ہو۔ جب پروگرام منایا ہے تو جانا۔“

ابا کے اصرار نے ہنی کو جانے پر تیار کر دیا اور چاچو کے چہرے پر سے اس فکر کو بھی دور کر دیا کہ کہیں ہنی جانے سے معذرت نہ کر لیں۔

ان دونوں کو تنہا بیچنے کا میرا منصوبہ تو کامیاب ہو گیا تھا مگر اب یہ فکر بھی بھٹکانے کی دے رہی تھی کہ ہنی وہاں کا سٹیکل میوزک کی شان میں کچھ انا سید حانہ بول دیں یا میوزک پر اپنی انتہائی گلیا (چاچو کے حساب سے) معلومات نہ ان کے گوش گزار کر دیں۔ کا سٹیکل میوزک پر ہنی کی معلومات صفر تھیں اور اس کے بارے میں ان کے خیالات ضبط تحریر میں لائے جانے کے لائق نہیں اور جو اگر چاچو کو ان کی کسی بات سے یہ شک ہو گیا کہ فلموں، کتابوں اور میوزک کے معاملوں میں وہ کس ”قسم“ کا ذوق رکھتی ہیں تو میری اتنے دنوں کی محنت پر پانی پھر جائے گا۔

میں بار بار گھڑی دیکھنے جا رہی تھی۔ ”لفظ میاں سب ٹھیک رہے۔ ہنی اپنا منہ بند رکھ کر سارا پروگرام انجوائے کریں اور ان دونوں کے درمیان ذرا بے تکلفانہ ماحول میں ذاتی نوعیت کی گفتگو بھی ہو جائے۔“ ایسی باتیں جو میری موجودگی میں قطعاً ممکن نہیں تھیں اور نہ ہی گھر پر کبھی ہو سکتی تھیں۔ ”کلنی دیر ہو چکی تھی“ میرے حساب سے اب ان دونوں کو گھر







ہے۔ ڈاکٹر چاچو اس وقت ان سے MOZART، LISZT، CHOPIN اور BEETHOVEN جیسے نامور PIANISTS کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ یہ بتا رہے تھے کہ دو سال پہلے VIENNA صرف اس لیے گھومنے گئے تھے کہ وہ MOZART اور BEETHOVEN کا شہر ہے اور وہاں جا کر وہ اس کا سیکل میوزک کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ محسوس کرنا چاہتے تھے۔ ہنی کتنے صبر و سکون سے یہ ساری باتیں سن رہی تھیں۔ جبکہ ان کی بلا بھی نہیں جانتی ہوگی کہ MOZART تھا کون؟ وہ کتنی تھیں کہ کبھی کسی کو اپنے سر پر اس طرح سوار نہیں کروں گی کہ سووں جاگوں گھاؤں پیوں سب ان کی مرضی سے۔ سر پر تو انہوں نے ایک بندے کو سوار کر لیا تھا۔ تب ہی تو اتنے اطمینان سے بیٹھ کر وہ باتیں سن رہی تھیں جن سے انہیں دو در دو تک کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں اپنے منصوبے کی کامیابی پر جتنا بھی مسکرائی اور سرشار ہوئی کم تھا۔ اب اس رشتے کی بات کسی نہ کسی طرح مجھے ابا کے کان میں ڈالنی تھی۔ میں اپنی سوچوں پر مسکراتی اور اپنے منصوبے کی کامیابی پر گنگنائی بیٹری پر قدم رکھ ہی رہی تھی کہ لان سے آئی ڈاکٹر چاچو کی گواز نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ ان کی گواز میں چونکا نے والا کچھ نہیں تھا۔ چونکی بلکہ ٹھنکی اور بوکھلائی تو میں ان کے جیلے پر تھی۔ ”میں آپ سے فریج میوزیشنز اور انٹلین میوزیشنز کے فرق کی جو بات کر رہا ہوں۔ اسے آپ نے ان سی ڈیز میں ضرور نوٹ کیا ہو گا جو نگار مجھ سے لے کر گئی تھی۔ سنی تھیں آپ نے وہ سی ڈیز؟“ میری گنگنائیٹ مسکراہٹ سب اڑ چھو ہو گئی تھی۔

”کون سی سی ڈیز؟“ میں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ ہنی کا خیر سا انتظار سنا۔

”نگار لے کر گئی تھی نا مجھ سے آپ کے لیے۔“

”میرے لیے کب؟“ میں تیزی سے بیڑھیاں پھلاتی لاؤنج میں آئی اور وہاں سے سیدھی اپنے کمرے میں۔ اپنے جس منصوبے کی کامیابی کا ابھی چند

لحے پہلے میں جشن منا رہی تھی، اس کا بھانڈا اتنی بڑی طرح پھوٹا تھا کہ میرا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔

کاش اس روز چاچو کے سامنے ہنی کا میپریشن جیلے کو میوزک والی سی ڈیز نہ لائی ہوئی۔ چاچو جیسے بھلکڑ مینڈ بھر رہی اس بات کو اس وقت یاد کریں گے ایسا تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔

کمرے میں منہ چھپا کر لیٹی میں ڈاکٹر چاچو اور ہنی کے ہاتھوں اپنی متوقع شہادت کے متعلق سوچ رہی تھی۔ جب بات کھلے کی پھر تو ایک ایک بات کھلے کی۔ زک زکشت Hardy غلام علی، آئینہ Bare foot، شام غزل، میری ہریات، لان، دونوں کے حساب سے تو میں نے سیدھا سیدھا انہیں بے وقوف بنایا تھا اور اس پر میرا کیا حشر ہونے والا تھا۔ ذرا دیر کو اپنی ذہانت اور چالاکی پر غور کیا تھا اور اللہ نے اس غور کی فوراً سزا بھی دے دی۔ میں رات تک کمرے میں چھپی رہی، ہنی کمرے میں ابھی تک نہیں آئی تھیں اور اس چیز نے مجھے مزید پریشان کر دیا تھا۔

”ڈاکٹر چاچو آپ کو بلا رہے ہیں بھو!“ بہروز کے ہنس پیغام نے میرے پیروں تلے سے زمین نکل دی تھی۔ ڈاکٹر چاچو نے کبھی بھی مجھ پر غصہ نہیں کیا تھا اور آج شاید انہوں نے مجھ پر بہت زیادہ ناراض ہونا تھا۔

”جی ڈاکٹر چاچو۔“ کب تک چھپ کر بیٹھ سکتی تھی مجھے ان کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔

”آئیے آئیے“ تشریف لائیے۔ آپ ہی کا انتظار تھا۔“ ڈاکٹر چاچو نے طنزیہ لہجے اور نگاہوں کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ وہ اس وقت اپنی اسٹڈی میں تھے اور ان کے برابر والی کرسی پر ہنی بھی بیٹھی تھیں۔

”نگاہوں سے مجھے گھورتی ہوئی۔ ہنی اور ڈاکٹر چاچو ناراض کرنے کے لیے تو میں نے یہ سب نہیں کیا تھا۔ مگر اب اپنی صفائی کس طرح پیش کروں۔“

”سنائے آپ بہت بڑی ہو گئی ہیں“ اتنی بڑی کہ اپنے پیروں کے ساتھ انتہائی بے ہوش مذاق بڑی آہستہ سے کر رہی ہیں بغیر کسی گھبراہٹ اور پریشانی کے۔ کرسی سے اٹھ کر میرے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔

”اپنی بیکاری اپنی کورٹ میں کچھ بڑھے بغیر نیند نہیں آتی اور بڑھتی وہ لاؤنج میں آکر اور پھر اپنی کتاب“

”ڈاکٹر چاچو۔“ وہ میں۔ پلیز۔“ میں منہ نہ دے کر اٹھ بیٹھنے لگی۔ اپنی ٹیک بنی ثابت کرنا چاہتی تھی۔

”ار کے مارے منہ سے کوئی معقول بات نکل نہیں آ رہی تھی۔“

”آپ کی اس مہارت سے بے وقوف بنالیتی آپ کی اس اسٹارٹ نہیں پر آپ کو سیلوٹ کروں یا آئیس تو یوں کی سلامی پیش کروں۔“

”ڈاکٹر چاچو! میں مانتی ہوں میں نے جھوٹ بولے۔“

”آپ چاہتی تھیں۔؟ یعنی اب ہم وہ کیا کریں گے جو آپ چاہا کریں گی۔“ ڈاکٹر چاچو نے طنزیہ انداز میں میری بات کھلی پھر کر دن موڑ کر ہنی سے بولے۔

”سنائے آپ نے ہانی! ہمیں کیا کرنا ہے“ اب اس کا اعلان زنگار سا جید صدیقی کیا کریں گی۔“

”میری آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ وہ دونوں غصے سے گھورتے ہوئے مجھے اپنی صفائی کا موقع دے ہی بیٹھ رہے تھے۔“

”اب آپ یہاں سے تشریف لے جاسکتی ہیں اور آگے آکر آپ کچھ چاہیں“ یا آپ کا کسی کو بے وقوف بنانے کو جی چاہے تو کوشش کیجئے گا وہ آپ کا ہم راز رہا کرتا ہو۔“

”انہوں نے دروازے کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے مجھ کو کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ میں مایوس اور غم انداز اسٹڈی سے نکل آئی۔“

”اے! آپ تو میری فرزند ہیں۔ پلیز آپ تو میری بھانجی ہیں۔“

”وہ بولنے کے لیے کمرے میں آئیں تو میں ملتی انداز میں ان کے ہاتھ پکڑ کر بولی۔“

”وہ ہنی کا یہ مطلب نہیں ہوتا گی! کہ انسان انسان کا احترام بھول جائے۔“

”مٹائی اور امی کی طرح میری بھی یہ خواہش تھی کہ آپ شادی کر لیں۔ ڈاکٹر چاچو ہر لحاظ سے آپ کے لیے بہترین لگے تھے مجھے۔ میری بس اتنی سی خواہش تھی کہ آپ کی ڈاکٹر چاچو سے شادی ہو جائے۔ آپ خالہ کے ساتھ ساتھ میری چاچی بھی بن جائیں اور ہوش ہوش کے لیے ہمارے ہی ساتھ آکر رہنے لگیں۔“

”ہنی کے لیے میری وضاحتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں۔“

\*\*\*

”اگلے روز میری سالگرہ تھی اور یہ سالگرہ یقیناً میری اب تک کی زندگی کی سب سے بڑی سالگرہ تھی۔ ہنی مجھ سے خفا“ ڈاکٹر چاچو مجھ سے ناراض اور جو میرا خواب تھا ان دونوں کو ایک کروا دینے کا وہ ریزہ ریزہ کیا خاک اچھی لگتی اپنی سالگرہ۔ اب تو سوچا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ ہنی اور ڈاکٹر چاچو وہ میرا خوابوں میں دیکھا جانے والا پاگل پاگل سا پائل بنائیں گے۔ باقی تمام لوگوں نے مجھے وش کیا تھا سوائے ہنی اور ڈاکٹر چاچو کے۔

”میں اواسی سے بھرا دل لیے کلج آئی تو وہاں آسیہ میرا دل جلائے کو موجود تھی۔“

”وہ بھو آج نگار کو کیا گفت ملتا ہے علی سے۔“ اس وقت اس نے یہ ذکر کیوں نکالا تھا“ میں کیا ہمارا پورا گروپ جانتا تھا۔ پندرہ بیس روز پہلے گزری اپنی سالگرہ کا ذکر خیر کرنے کے لیے۔

”میری سالگرہ پر تمہارے“ بھائی“ مجھے کلج سے میری پسند کے ہوٹل میں بچ کر لانے لے گئے تھے اور وہیں پر گفت میں یہ گولڈ کی چین بھی دی تھی۔“

”اس کی سالگرہ کا قصہ اتنا قدیم نہیں ہوا تھا جو ہم میں سے کوئی اسے بھول گیا ہو نا مگر اس اوچھی لڑکی کو تو موقع چاہیے ہوتا تھا اپنا اوجھا بن شو کرنے کا۔“

”اصل میں آسیہ! ہماری تو ٹھنکی ہو چکی ہے نا پھر ہمیں گھر والوں سے چھپ کر باہر ملنے کی کیا ضرورت ہے۔ علی کو جو گفت بھی دینا ہو گا وہ مجھے گھر پر آکر دے



لگاتی اچھلنے کو نہ لگی۔

”یا ہو“

میری سخت رنگ لے آئی تھی۔ کل کتنا ڈرامہ کر رہے تھے دونوں میرے سامنے۔ میرا جھوٹ پکڑا گیا اور ساری بات کھلی تب ہی دونوں تکلفات اور ادب و آداب سے نکل کر ایک دوسرے کے لیے پسندیدگی کا واضح اظہار کیا۔ یعنی ذریعہ تو میں ہی بنی۔ تو آخر میرے باگل ڈاکٹر چاچو اور باگل بنی ایک ہونے کو آمادہ ہوئی تھیں۔ میں یونسی اچھلتی کودتی بنی کیس پکڑی۔

”براڈ آؤڈ دکھا رہی تھیں کل۔ پسند تو دل و جان سے آچکے تھے میرے ڈاکٹر چاچو۔“ بنی کے لبوں پر ہنس سی مسکراہٹ تھی۔

”اوہو شریلا جا رہا ہے۔“

”گئی۔“ بنی نے مصنوعی غفلت سے مجھے گھورا۔

”بنی! اب آپ اپنا پسندیدہ پھل سیب پہلی فرمت میں کھانا چھوڑ دیجئے ورنہ ڈاکٹر صاحب آپ سے دور ہو جائیں گے۔“

میرے پلان میں کچھ ناقص تھے بھی تو کیا ہوا انجام کار نتیجہ تو میری خواہش کے مطابق ہی نکلا تھا۔ بے تحاشا خوشی ایسی تھی کہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بنی میری ایکسٹنٹ پر مسکرا رہی تھیں۔

”تو اب مس ہانیہ بانو ایک عدد لنگور کو اپنے سر سوار کرنے کے لیے تیار ہو گئی ہیں۔“ میں انہیں چھیڑنے کے زبردست مؤثر میں تھی۔ اتنی آسانی سے ان کا پیچھا چھوڑ دینے والی تو میں ہرگز نہیں تھی۔

”بنی! اب آپ کی باتیں میرے سر میں درد کیا کریں گی۔ آپ کے پسندیدہ ٹاپکس میاں کے ڈکھڑے بچوں کی بتاریاں اور ساس مندوں کی پتیلیاں ہوا کریں گے۔ لیکن آپ ساس مندوں کی عیبتیں مجھ سے کیسے کریں گی میں تو خود آپ کے سرالیوں میں سے ہو جاؤں گی۔“

بنی نے اپنی بے ساختہ ہنسی چھپاتے ہوئے مجھے گھور کر دیکھا۔

میں نے بظاہر بہت مسکراتے ہوئے دوستانہ اور ہلکے پھلکے لہجے میں ایسی بات کہی جس نے ظاہر ہے اسے آگ لگا دینی تھی۔ میری صاف گوئی پر اس کا منہ بن گیا تھا، مگر وہ مجھے فوراً کوئی جواب نہیں دے پائی تھی۔ اسے کو تو اپنی حاضر جوابی سے چپ کر دیا تھا مگر میں جانتی تھی کہ گفت تو بہت دور رہا وہ موٹو مجھے یہی برتھ ڈے تک نہیں بولے گا۔

”جس بچے دل سے کلج گئی تھی اس سے بھی زیادہ بچے دل سے گھرواپس لوٹی تھی۔ حالانکہ موسم برسات کا تھا۔ سائون کا موسم پتا نہیں کن لوگوں کا دل خوش کرتا ہے۔ مجھے تو یہ بارش نری زہر لگ رہی تھی۔“

گھر میں داخل ہوئی تو وہاں غیر معمولی چل پھل اور ہنگامہ تھا۔ داوی، امی، روہیل، بہروز اور مبشر سب بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ اور تو اور میں کچھ نہیں تھڑے جوتے لیے اندر آئی تو امی نے مجھے کچھ نہ کہا یہاں تک کہ گھور ابھی نہیں۔

”یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے؟“ ماجرا جاننے کے لیے مجھے زیادہ تر وہ نہیں کرنا پڑا تھا، امی کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ انہوں نے میرے پوچھنے سے پہلے ہی خوشی کی بات مجھے بھی بتا دی۔

”فد‘ ہلی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ہلی کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ ابھی ابھی ہم نے اسلام آباد تمہاری نانی کو فون کیا تھا۔ بس ساری رسمی سی کارروائی ہے۔ دو لہا، دلسن تو راضی ہیں اور ہلی کسی کے اعتراض کا سوال اس لیے پیدا نہیں ہوا کہ یہ دو لہا، دلسن بڑی مشکلوں سے راضی ہوئے ہیں اور ان کے کسی بھی لمحہ بدک جانے کا فہرہ انہی جگہ موجود ہے۔ لہذا طے یہ کیا جا رہا ہے کہ ان کے بدکنے سے پہلے پہلے سب کچھ جھٹ پٹ کر ڈالا جائے۔“

خوشی کی غیر متوقع خبر پہلے پہل غیر یقینی سی کیفیت ہوتی ہے مگر بسوچی میرے ساتھ ہوا تھا۔ مگر جیسے ہی اس بے یقینی سے نکلی بے اختیار چھلانگیں مارتی تو میرے

”ہو سامنے سے۔“ جب تک وہ پھاڑ سامنے سے نہ ہٹ جاتا میں آگے جا کیسے سکتی تھی۔ وہ سامنے سے میرے کٹنے سے نہیں بلکہ امی کے آواز دینے سے ہٹا تھا۔ وہ اسے پار سے آواز دے رہی تھیں۔

”آجائو بیٹا! گرم گرم پراٹھے ہیں۔ بس فوراً شروع ہو جاؤ۔“

وہ ”جی اچھا ممائی!“ کہتا پلٹا تو میں روہیل اور بہروز کے پاس آئی۔

”بھو! رینگیلے موسم میں بالہ آئے تو ہیں مگر آپ سے ملنے نہیں، قید۔ بھرے پراٹھوں سے ملنے۔“

”میں نے بڑی بہن ہونے کا رعب دکھاتے ان دونوں کو گھور کر دیکھا۔ علی ہاتھ دھو کر آچکا تھا اور اب میرے روہیل اور بہروز کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا پراٹھوں سے شغل فرما رہا تھا۔

”آجائو تم لوگ بھی۔“

اس نے ہمیں ہمارے ہی گھر پر کھانے کی دعوت دی۔ ابھی تو اس گھر کا دلانا بھی نہیں ہے اور کیسا حق جتا کر یہاں بیٹھ کر کھولتا ہے منہ اسے گرم گرم پراٹھے لا کر دے رہی تھیں۔

روہیل اور بہروز اس کے ساتھ شریک تو ہو گئے تھے مگر ان بے چاروں کی کہاں پہنچ تھی اس تک۔ بہروز ڈیڑھ پراٹھا کھا کر بس کرچکا تھا اور روہیل دو پراٹھے کھا کر اور وہ باتیں ایک دو تین ساڑھے تین۔ مجھے گنتی کرتے کرتے گھبراہٹ ہونے لگی۔

”نگار! تم بھی آجاؤ۔ کیوں خواہناؤ نظر لگا رہی ہو۔“

”تم میری فکر مت کرو، میں کھاؤں گی یا خیر میرے بابا کا گھر ہے۔“

نظر لگانے والی بات نے مجھے چڑایا تو میں نے اسے شرمندہ کرنے کو بابا کے لفظ پر خاصا زور ڈال کر جوابی حملہ کیا۔

وہ میری بات کا نوٹس لیے بغیر اطمینان سے پراٹھا کھاتا رہا۔ روہیل اور بہروز اس کے پاس ہی بیٹھ کر اب آم کھا رہے تھے۔ وہ نمکین کھا کر توفان غ بولے پھر

”اچھا اب تم زیادہ پھیلو مت، مجھے نماز پڑھنی ہے تم اپنی ہمراہی نظر آؤ یہاں سے۔“

بڑے ہونے کا رعب دکھاتی وہ وضو کرنے یا تھ روم میں کھائیں تو میں اپنی چھیڑ چھاڑ کچھ دیر کے لیے موقوف کرئی کمرے سے نکل آئی۔

”میرا مقصد نیک تھا اس لیے سب کچھ خود بخود ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔ ورنہ ان دو یا گلوں کو جنہیں بڑے بڑے شادی کے لیے تیار نہیں کیا ہے تھے میں کیونکر کہانی۔ میرا دل خوشی سے ٹپٹپٹے ہوئے اور بھونکنے کو ہار رہا تھا۔ میں بیڑھیاں پھیلاتی بڑی لے میں با آواز بلند گلوکاری کر رہی تھی۔ بھوک بھی ایک دم ہی بہت

زبردست لگنے لگی تھی۔ اور یہ بھی یاد آئے لگا تھا کہ اس دم، جم پرستے موسم میں، امی بیچ کے لیے قید ہوئے پراٹھوں کا اہتمام کر رہی ہیں۔ ذہن میں قید ہوئے پراٹھے تھے، دل میں خوشی تھی اور ہونٹوں پر

آئے موسم رینگیلے سامنے

دیا نانی مانے

تو پھنسی لے کے آجا بلدا ہو۔

تو پھنسی لے کے آجا بلدا

پھر میں کسی پھاڑ نما چیز سے بہت زور سے ٹکرائی تھی۔ بل کو تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اندھانے کے بعد خود کو گرنے سے بچائی، آنکھیں کھول کر سامنے دیکھنے میں کامیاب ہوئی تو جو شخصیت نظر آئی اس وقت نہ اس کی توقع تھی اور نہ اس کی آمد کی کوئی ضرورت۔

”مجھے شریلی بیگم بننے کی ضرورت کیا تھی اور اس شخص کو منہ اٹھا کر سیدھا اندر کھس آنے کی۔“ میں گھس کر سوچا۔

پچھلے صوفوں پر بیٹھے روہیل اور بہروز محفوظ گاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ دونوں اپنی اپنی شکل روک رہے تھے۔ اور ہنسی تو اپنی وہ کینہ لگی روک رہا تھا۔ اسے ہنسی روکنا دیکھ کر مجھے مزید



ٹیشے کی طرف آئے گا۔ اس کا مجھے یقین تھا۔  
گیٹ پر نیل ہوئی تو میں دونوں بھائیوں کو آموں کے  
ساتھ مصروف دیکھ کر خود گیٹ پر آگئی۔ بارش ذرا ہلکی تو  
ہوئی تھی مگر پوری طرح رکی نہیں تھی۔ میں نے گیٹ  
کھولا۔

”ڈاکٹر زرنکار ساجد صدیقی یہیں رہتی ہیں؟“  
سامنے کسی کوریئر سروس کا آدمی کھڑا تھا۔  
”جی میں ہی ہوں۔“

یہ آپ کے لیے آیا ہے۔ میں ان پھولوں اور اس  
ڈبے کو جس میں میرے حساب سے شاید ایک ہونا  
چاہیے تھا، تعجب سے دیکھتی رہی سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر  
نکار تو مجھے میری دوستی اور بھی کبھار چاچو کہتے ہیں۔  
دوستیں ساری آج کالج میں وٹ کر چلیں گفٹس  
دے چلیں پھر کیا چاچو نے بھجوا یا ہے یہ۔ میں نے  
دستخط کرنے کے بعد اپنے لیے آنے والی چیزیں وصول  
کیں اور گیٹ بند کر کے جلدی سے پھولوں کے ساتھ  
لگا کارڈ کھولا۔

Happy Birthday to my Sweet heart

”Big Show

میں بارش سے بچنے کے لیے لاؤنج کی سیڑھیوں پر  
آگئی تھی، اور وہیں کھڑے ہو کر میں نے کارڈ پڑھا تھا۔  
ٹیشے کے اس پار مجھے Big show بالکل صاف نظر  
آ رہا تھا۔ پر اٹھے کھا چکنے کے بعد اب آموں کے ساتھ  
انصاف کرنا ہوا اسے یہ کیسے پتا چلا میں اسے بگ شو  
(Big show) کہتی ہوں؟ اگر اس نے سوئیٹ  
ہارٹ نہ لکھا ہوتا تو میں اپنے بھائیوں پر شک کرتی کہ  
ضروریہ ان میں کسی کی شرارت ہے مگر سوئیٹ ہارٹ  
والی بات صرف ہنی کو پتا تھی اور وہ بہر حال یہ حرکت  
نہیں کر سکتی تھیں۔ میرا گفٹ جو انہوں نے آج مجھے  
دینا تھا میں ابھی کمرے میں رکھا ہوا دیکھ آئی تھی۔ اس  
کا مطلب ہے یہ واقعی اس نے بھیجا ہے۔

میں لاؤنج میں آئی۔ رو حیل، بہروز اور دادی جو ابھی  
ابھی وہاں آکر بیٹھی تھیں تینوں نے ایک ساتھ مجھے

دیکھا۔ جب کہ وہ آم کاٹنے اور کھانے میں مصروف  
رہا۔

”اوہو پھول، کس نے بھیجے ہیں یہ پھول۔“  
پھولوں کا یہ بڑا سارا گلدستہ چھپنے والی چیز ہی نہیں تھا۔  
”کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے۔“ چاچو  
کی صحبت کا اثر مجھے غالب بروقت یاد آئے۔

میں نے بگ شو (Big Show) کی طرف بغور  
دیکھا۔ وہ بے نیازی کی بھرپور اداکاری کرتا آموں کے  
ساتھ پہلے سے بھی زیادہ مگن ہو گیا تھا۔  
”بھیجا ہے کسی نے۔“ میں نے یوں کہا گویا اسے  
چڑا نا چاہتی ہوں۔

دادی ہماری ماسی بشیراں کے ساتھ بات کر رہی  
تھیں۔ انہوں نے میری بات سنی نہیں تھی ورنہ  
گھورتیں ضرور۔ میں اٹھاتی اور اتراتی اپنے کمرے  
میں آگئی۔ پھول تو دیکھ ہی چکی تھی اب ڈبا گھول کر  
ایک دیکھ رہی تھی۔ ہارٹ شیمپ

کا اسٹرایری کیک، اور اس پر بھی  
لکھا ہوا۔ پیو نے تحفے میں دیا بھی تو کیک

ہی۔ کھانے پینے والا بندہ تحفے میں کھانے پینے کی چیز  
دے سکتا تھا۔ میں یہ کیک گھر میں کسی کے ساتھ شیئر  
نہیں کر سکتی تھی کہ اس پر خاصا بولڈ اور غیر سنسر شدہ  
جملہ تحریر تھا۔ ویسے میں ہر چیز اپنے بھائیوں کے ساتھ  
مل بانٹ کر کھاتی ہوں اور پھر اسٹرایری کیک تو رو حیل  
کو پسند بھی بہت ہے۔ مگر آخر کو میں ایک مشرقی لڑکی  
ہوں بھائیوں کے ساتھ یہ کیک شیئر کرتے کیا مجھے لانج  
نہیں آئے گی؟

”سوری رو حیل، بہروز اور مبشر، بچو کو یہ کیک اکیلے  
ہی کھانا پڑے گا۔“

”ارے یہ کیا ہے بھی؟“ ہنی کو کمرے میں نہ پا کر  
میں یہ سمجھی تھی کہ وہ نیچے جا چکی ہیں۔ جب کہ وہ  
بالکونی میں تھیں اور اب ایک دم ہی اندر گئی تھیں۔

ہنی کی خیر ہے۔ انہیں کیک اور کارڈ دکھالنے میں  
کچھ مضائقہ نہیں تھا۔ اور اگر ہوتا تب بھی وہ کون سا

رک جاتیں۔ وہ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی تیزی  
سے آگے آئیں۔ پہلے کیک کو دیکھا، پھر مجھے، پھر دوبارہ  
کیک کو اس کے بعد پھولوں پر نظر پڑی تو جھٹ انہیں  
الغالب۔ میں اترائی ہوئی مسکراہٹ لیے انہیں کارڈ  
پر استاد دیکھ رہی تھی۔

”سوئیٹ ہارٹ (Big show)“ وہ کھلکھلا کر  
اسی تھیں۔ ”بہت مبارک ہو گئی! تیرے  
(Big show)

نے آخر مگتیر ہونے کا حق ادا کر ہی دیا۔ ناحق دل  
برا کرتی تھیں۔ دیکھو اس بے چارے کو تمہارا کتنا  
ظیال ہے۔“

”ہنی! اسے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میں اسے بگ شو  
Big Show کہتی ہوں؟“ ہنی سے یہ سوال کرتے  
وقت میرے ذہن میں اپنے بھائیوں کی شکلیں آئیں۔  
ضرور یہ ان تینوں میں سے کس کی کارستانی ہے۔  
پھولوں کی تو اسے میں ہرگز نہیں، ان تینوں میں سے  
جس کسی کی بھی حرکت ہوگی۔

”ہاں واقعی سوچنے کی بات ہے اسے کیسے معلوم  
ہو گیا؟“ ہنی نے کیک کے اوپر لگی سرخ سرخ اسٹرایری  
میں سے ایک اٹھا کر منہ میں رکھی۔ مجھے ان کے جملے  
اور مصومیت سے آنکھیں پٹھانے، دونوں نے ایک  
دوسرا دیکھا۔

”ہنی؟“ مجھے یقین کرنے میں تامل تھا۔ ”آپ  
نے؟“

انہوں نے دوسری اسٹرایری اٹھا کر سرعت سے  
منہ میں رکھی اور پھر تیزی سے دروازے کی طرف  
ہاتھ ہونے مجھ سے بولیں۔

”ہاں میں نے بتایا تھا اسے کہ گئی تمہیں پیار سے  
بگ شو Big show کہتی ہے۔ تمہارے“

(Big show)

میری دوستی فون پر اس وقت ہو گئی تھی  
اب تمہارا رشتہ طے کر کے مٹنی کا دن مقرر کیا گیا تھا۔



میں نے ہی اسے کراچی فون کیا تھا۔ اپنی لاڈلی بھانجی کے ہونے والے منگیتر کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات تو مجھے حاصل کرنی ہی چاہیے تھیں۔ بس پھر ہماری دوستی ہو گئی۔ ہم کبھی کبھار نیٹ پر چیٹنگ بھی کرنے لگے۔

ہنی اور یہ غداری؟ مجھے امید نہیں تھی۔ وہ میری ہر بات اسے بتاتیں تھیں۔ انہیں غصہ دلانے کو جو جو باتیں میں جان بوجھ کر کہا کرتی تھی وہ سب بھی ”جب علی میری تعریف نہیں کرتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔“ مجھے اپنا کہا ایک جملہ یاد آیا۔

میں نے ہنی کو گھورا وہ دروازہ کھول کر کھڑی مجھے شریر نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ جب میں اپنے تئیں ہنی کو بے وقوف بنا رہی تھی۔ تب وہ میری تمام باتیں من و عن اس تک پہنچا رہی تھیں۔

”ہم دونوں میں سے کس نے کس کو بے وقوف بنایا؟ پتا نہیں چل رہا تھا۔ ہاں اتنا ضرور سمجھ میں آ رہا تھا کہ بڑے واقعی بڑے ہوتے ہیں۔ خود کو چالاک اور ذہین سمجھ کر جب ہم اپنے بڑوں کو Under Estimate کرتے ہیں وہیں مار کھاتے ہیں۔“

”ہنی! میں آپ کو چھوڑوں گی تو ہرگز نہیں۔ اس موٹے بھالو کو کتنی خوش فہمیوں میں مبتلا کروایا ہے آپ نے۔“

میں دھمکی آمیز لہجے میں بولتی تیزی سے ان کی طرف بڑھی اور وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر اب صورت حال کچھ یوں تھی کہ ہنی آگے تھیں اور میں ان کے پیچھے اور شاید چالاک کی میں مجھے ہمیشہ ہنی سے پیچھے ہی رہنا تھا۔ انہیں سیڑھیاں اترنا دیکھ کر میں ہار مانتے ہوئے رک گئی۔ غصے سے زیادہ مجھے ہنی کی چالاکیوں پر ہنسی آنے لگی تھی۔

”ساون کا جو موسم مجھے بہت برا لگ رہا تھا اسی موسم نے دل کو ایسا خوش کیا تھا کہ اس پر پیار آنے لگا تھا۔ ویسے موسم کے اس اچھے لگنے کا تعلق اپنے

”قصے“ سے زیادہ ہنی اور ڈاکٹر چاچو سے تھا۔ میرا دل ہنی اور ڈاکٹر چاچو کے لیے بے انتہا خوش تھا۔ اس ”قصے“ پر فی الحال میری زیادہ توجہ نہیں تھی میں ہنی اور ڈاکٹر چاچو کے بارے میں سوچ رہی تھی وہ دونوں ایک ساتھ کتنے اچھے لگیں گے۔

”ہنی Weds ڈاکٹر چاچو۔“ میں نے زیر لب کہا

اور پھر مسکرا دی۔ یہ تو لو میرج تھی مگر اسے ارتج میں نے کیا تھا۔ کون کہتا ہے ارتج کو نہیں ہو سکتا۔ کم از کم میں نے تو یہ بات غلط ثابت کر کے دکھا دی۔ یہ ارتج ہی ہوا تھا اور اسے ارتج کیا تھا میں نے ”زرنگار ساہو صدیقی نے۔ جب دو محبت کرنے والوں کے درمیان ایک تیسرا فرد آکر نفرت ڈلواسکتا ہے تو دو محبت نہ کرنے والوں کے درمیان ایک تیسرا فرد آکر محبت کیوں نہیں ڈالو سکتا؟ اور جہاں تک ہنی اور ڈاکٹر چاچو کی ذاتی پسند ناپسند میں اختلاف کا سوال ہے تو جس جگہ محبت ہو وہاں اس چیز کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ کچھ بعید نہیں کہ آنے والے برسوں میں ہنی ڈاکٹر چاچو کے ساتھ بیٹھ کر کلاسیکل میوزک انجوائے کرتی، دقیق ادبی کتب کا مطالعہ کرتی دکھائی دیں اور ڈاکٹر چاچو ہنی کے ساتھ بیٹھ کر انڈین سوپس اور انڈین موویز کو دیکھتے اور ان پر تبصرہ کرتے نظر آئیں۔ محبت دراصل اسی شیئرنگ کا نام ہے۔ اگر کیمیائی زبان میں بات کریں تو محبت Covalent Bond کی طرح ہوتی ہے۔

Covalent Bond میں Electrons شیئر کیے جاتے ہیں اور Love Bond میں ایک دوسرے سکھ، دکھ، پسند، ناپسند سب کچھ شیئر کیا جاتا ہے۔ ”کبھی کبھی میں کچھ اچھی باتیں نہیں کر جاتی؟“

